''نام؟''

پولیس چوکی میں تعینات موٹے سکھ آفیسر نے اپنے سامنے کھڑے جسپال کے چہرے پر دیکھتے ہوئے طنزآمیز لہجے میں پوچھا۔

''جسپال سنگھ۔''اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''باپ کا نام......؟''اس نے یوں تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا جیسے باہر سے آنے والے کسی سکھ کے باپ کا کوئی نام نہیں ہوتا۔

''آنجہانی......کلونت سنگھ......''اس بار پھر اس نے لہجے کو پرسکون رکھا تھا۔

''یہاں کس کے پاس آئے ہو اور کیوں؟''اس بار پولیس آفیسر کے لہجے میں شک کا زہر گھلا ہوا تھا۔

''میں یہاں اپنے گھر آیا ہوں۔ اس گاؤں میں میرے آباؤ اجداد کا گھر ہے۔ جو، اب بھی موجود ہے۔ میں یہیں پیدا ہوا ہوں اور اب......''جسپال نے جذباتی لہجے میں کہنا چاہا تو اس کی بات کاٹ کر آفیسر بولا۔

''لیکن یہ سب تیرے ان کاغذات میں نہیں لکھا ہوا اور نہ ہی یہ میرے سوال کا جواب ہے۔ میں نے جو پوچھا ہے وہ بتاؤ......''موٹے آفیسر نے انتہائی حقارت اور ہتک آمیز لہجے میں اُکتاتے ہوئے کہا۔ اس پر جسپال نے گہری سانس لی اور سمجھوتہ کرنے والے انداز میں بولا۔

''میں انوجیت سنگھ کے پاس آیا ہوں۔ یہ میرا دوست ہے۔''اس نے ذرا فاصلے پر بیٹھے انوجیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جسپال کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سرد پن اُتر آیا تھا۔

''کتنے دن کا پروگرام ہے؟''آفیسر نے یوں کہا جیسے اس کی پہلے والی بات کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔

''جتنے دن کا ویزہ ہے اور جس کی مدت میں جب چاہے بڑھا سکتا ہوں۔ یہ بات میرے کاغذات میں درج ہے۔''اس بار لہجے میں سرد پن کے ساتھ طنز بھی اُتر آیا تھا۔ موٹے آفیسر نے ذرا سی آنکھیں موند کر اس کی جانب دیکھا اور سخت لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے، مگر تمہاری جتنی بھی موومنٹ ہو گی اس کی اطلاع یہاں تھانے میں ہونی چاہیے۔''

''مطلب، میں اس آزاد ملک میں بھی آزاد نہیں ہوں؟''وہ آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''آزادی ہمیشہ پابندیوں کے ساتھ ملتی ہے مسٹر جسپال سنگھ۔ ہر ملک کے قانون کی پاسداری کرنا پڑتی ہے اور ہم قانون کی حکمرانی ہی کے لیے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب تمہارے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا کہ تم......دہشت گرد نہیں ہو۔ جس قدر یہ چانس ہے کہ تم یہاں امن و امان سے رہ کر واپس چلے جاؤ گے، اتنے ہی چانس یہ بھی ہیں کہ تم کسی دشمن ملک کی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہو۔''سکھ آفیسر نے حقارت، طنز اور اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہو آفیسر، ہر قوم، ہر ملک، ہر محکمہ اور ہر بندے کا اپنا ایک تاثر بھی ہوتا ہے۔ اس کی اپنی قومی روایات بھی ہوتی ہیں۔ اس کے اپنے آباؤ اجداد کا ورثہ بھی ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ آپ جبکہ مجھے ایک غیر ملکی اور مشکوک آدمی بنانے پر تل ہی گئے ہیں تو سنو......آپ سے ملنے کے بعد بھارت، پنجاب اور خصوصاً سکھ قوم کے بارے میں جو میرا تاثر تھا وہ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔''اس کے لہجے میں بھی

نفرت عود کر آئی تھی۔

''کیا مطلب' تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ ایک دم ہتھے ہی سے اکھڑ گیا۔اس لیے وہ اسی ہی کے لہجے میں بولا۔

''وہی جو تم سمجھ گئے ہو۔ نیا سوال بولو۔'' اس بار جسپال سنگھ باوجود کوشش کے اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔اس نے صاف لفظوں میں وہی کہہ دیا جو اس کی سمجھ میں آیا تھا۔پولیس آفیسر چند لمحے سوچتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسی ہتک آمیز لہجے میں اس کے کاغذات سمیٹ کر واپس دیتے ہوئے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں کوئی سوال نہیں' ادھر جاؤ میرے اسسٹنٹ ست پال کے پاس' اس کے پاس جا کر فارم پُر کرو اور اس پر دستخط کر کے چلے جاؤ۔ مگر۔! میری ہدایت کو ذہن میں رکھنا' اب جاؤ۔''

جسپال نے بمشکل خود پر قابو رکھا' اپنے کاغذ پکڑے اور اپنی جانب دیکھتے ایک پولیس کانسٹیبل کی طرف دیکھا' جس کی طرف آفیسر نے اشارہ کیا تھا۔اس کے پاس انوجیت بیٹھا ہوا تھا۔وہ اس کے پاس چلا گیا' کانسٹیبل ست پال نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیے۔''

''شکریہ۔'' اس نے کہا اور انوجیت کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔تب تک ست پال نے دراز میں سے ایک فارم نکال کر اس کے سامنے رکھا اور بڑے آرام سے بولا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے اس آفیسر کا سوبھا (مزاج) ہی ایسا ہے۔طبیعت کا کچھ گرم ہے ویسے یہ اندر سے بہت اچھا آدمی ہے۔ آپ یہاں ضروری معلومات لکھ کر دستخط کر دیں۔''

جسپال سنگھ نے ایک نگاہ میں وہ معلومات پڑھیں اور پھر جلدی جلدی سب لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ دوبارہ ایک نگاہ ڈال کر اُسے دیتے ہوئے بولا۔

''یہ لیں۔''

کانسٹیبل نے ایک نگاہ فارم پر ڈالی اور پھر واپس رکھتے ہوئے ہنس کر بولا۔

''آپ اپنے ساتھ سکاچ وسکی تو لائے ہوں گے۔''

''نہیں' میں نہیں لایا' مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' جسپال سنگھ نے چونک کر کہا تو انوجیت بولا۔

''وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔'' پھر کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تم آؤ ذرا میرے ساتھ باہر۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔اس کے ساتھ ہی جسپال سنگھ بھی باہر جانے کے لیے لپکا تو کانسٹیبل بھی ان کے پیچھے ہی آ گیا۔انوجیت نے اپنی جیب سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔''اپنے آفیسر کو سمجھا دینا کہ ہمارے ساتھ اور ہمارے مہمانوں کے ساتھ بات ذرا تمیز سے کیا کرے۔اگر نہیں سمجھتا تو اسے بات کرنا سکھا دیں گے ہم......اب جاؤ۔''

کانسٹیبل نے نوٹ جیب میں ڈالے اور واپس پلٹ گیا۔ انوجیت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جسپال کو سمجھایا تو دونوں گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

''یار مجھے بہت غصہ آ رہا ہے اس پر......'' جسپال سنگھ نے کہا۔ جب وہ تھانے کی حدود سے باہر نکل رہے تھے۔ پھر جب گاڑی میں بیٹھ چکے تو انوجیت نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

''تیرا کیا مطلب ہے' مجھے اس پر پیار آ رہا ہے۔''

''تو پھر انہیں رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''رشوت' میں نے کون سی رشوت دی ہے' میں نے کون سا کوئی ناجائز کام کروایا ہے۔ تم سمجھو جسپال' یہاں جائز کام کے لیے بھی رقم دینا پڑتی ہے۔ سمجھ لو یہ بھی غنڈہ ٹیکس ہے۔ یا بھتہ' ورنہ یہ جائز کام کو بھی اتنا مشکل بنا دیتے ہیں کہ بس......'' انوجیت نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''آئندہ...... تم نے کسی بھی معاملے میں یوں رقم ضائع نہیں کرنی' میں خود چاہوں گا کہ یہ میرے کام کو مشکل بنائیں۔'' جسپال سنگھ نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں؟'' انوجیت نے پوچھا۔

''یہ میں تمہیں وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' جسپال سنگھ نے کہا اور سامنے دیکھنے لگا۔ اس پر انوجیت خاموش ہو گیا۔ اس وقت سورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت تھا' جب وہ پولیس چوکی سے نکلے۔

☆ ☆ ☆

میرے حواس بیدار ہوئے تو میں ایک اندھیرے کمرے میں تھا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے روشنی کا احساس ہونے لگا۔ مجھے اپنے گردوپیش کا احساس ہوا تو دیکھا کہ کچھ پولیس والے کھڑے تھے اور میں فرش پر چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک پولیس والے کے ہاتھوں میں پانی کی بوتل تھی جس سے وہ پانی میرے چہرے پر پھینک رہا تھا۔ باوجود خواہش کے میں اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکا۔ میں نے اپنی طرف سے چیخ کر کہا تھا کہ مجھ پر پانی مت پھینکو...... لیکن میرے لبوں سے ایک لفظ تک ادا نہیں ہو پایا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میں پتھر کا بن گیا ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے ہوش آنے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے اردگرد کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔

''اوئے ہوش نہیں آیا...... اس بہن......'' کسی نے کرخت انداز میں پوچھتے ہوئے نہایت غلیظ انداز میں گالی دی۔ تبھی میرے قریب ہی سے آواز آئی۔

''بس آ ہی گیا ہے جی۔''

''تو لے آؤ پھر اسے......'' اتنا کہنے کے بعد گالیوں کی ایک لمبی فہرست تھی جسے برداشت کرنا انتہائی ناممکن تھا۔ میرے بدن میں آگ بھڑک گئی۔ میرے ہوش کرنے پر انہوں نے مجھے زبردستی اٹھایا اور چند قدم کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے افضل رندھاوا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے

میری طرف دیکھا اور کرسی کی ٹیک چھوڑ کر بولا۔

''اوئے (......گالی) اب جلدی سے بک دے ڈکیتی کا مال کدھر ہے؟''

میں اس وقت تک پورے حواس میں آ گیا تھا' اس لیے اپنا آپ چھڑواتے ہوئے بولا۔

''تیری بہن کے گھر پڑا ہے' جہیز کی کمی تھی، وہ پوری کی ہے۔''

میرے اس طرح کہنے پر وہ بری طرح چونک گیا۔ حیرت سے چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر بجائے بھڑکنے کے اسی کرخت لہجے میں یوں بولا جیسے میں نے کچھ بھی نہ کہا ہو۔

''جیپ تیرے گھر کے باہر سے برآمد ہوگئی ہے یہ میرے سامنے چوہدری حفیظ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے بیٹے سے گاڑی چھینی گئی تھی۔ جو مال......'' اس نے کہنا چاہا مگر میں نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''اگر کوئی تیری بیوی میرے گھر کے سامنے لاکر چھوڑ دے تو کیا اسے بھی میں نے اغوا کیا ہے؟''

''اوئے زیادہ سیانا نہ بن' اور اپنی زبان قابو میں رکھ۔ ورنہ تیرے بدن کا ہر سوراخ بولے گا کہ مال کہاں ہے بے غیرت......'' اس نے غصے میں سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ میں رُخ پھیر کر اس چوہدری حفیظ کو دیکھنے لگا جو بڑے ٹھسے سے کرسی پر براجمان تھا۔ میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ یہ کون ہے؟ اور میرے گھر سے باہر جیپ تک کیسے پہنچا؟ یہ سوال میرے ذہن میں گونج کر رہ گئے۔ تب تک افضل رندھاوا نے کہا'' اتنی ٹھکائی کے بعد تجھے عقل آ جانی چاہیے ورنہ رات بھر تک تیرے جسم کے ریشے تک اُدھڑ جائیں گے۔''

''اُوئے سن اُوئے رندھاوے......اس جیپ پر چھ حملہ آور، اسلحہ سمیت مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں نے ان بزدلوں کو مار بھگایا۔ یہ جیپ ان لوگوں نے وہاں چھوڑی اور بھاگ گئے۔ مجھے نہ کسی ڈکیتی کا پتا ہے اور نہ میں کسی مال کے بارے میں جانتا ہوں۔ یہی سچ ہے اور یہی میرا بیان ہے۔ اب تو جو چاہے کرلے' میرا بیان یہی رہنا ہے لیکن یہ یاد رکھ اپنی اتنی ہی اوقات دکھانا' جتنی تو بعد میں برداشت کر سکے۔'' میں اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے' تب وہ انتہائی غضب میں بولا۔

''تو بول کہاں سے رہا ہے' مجھے تو اتنا بے وقوف نہیں لگتا کہ تجھے یہ معلوم ہی نہ ہو تو کہاں کھڑا اور کس سے بات کر رہا ہے۔ تو میری اوقات دیکھنا چاہتا ہے تو پھر دیکھ میں دکھاتا ہوں تجھے اپنی اوقات۔'' یہ کہہ کر اس نے چوہدری حفیظ کی طرف دیکھا۔'' چوہدری صاحب! آج آپ جائیں' میں ذرا اسے بات کرنا سکھالوں' کل آپ تشریف لائیں' میں جیپ آپ کے حوالے کردوں گا۔''

''جی بہتر......!'' وہ اٹھتے ہوئے بولا' تبھی اس نے دوسرے کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور تھانے سے نکلتا چلا گیا۔ تبھی افضل رندھاوا نے اپنے قریب کھڑے پولیس والوں سے کہا۔

''اُوئے لے جاؤ اسے' اور چھتر دل کر کے سمجھاؤ کہ بولتے کیسے ہیں۔ آج رات کوئی ڈکیتی' کوئی مال برآمد کروانے کی ضرورت نہیں ہے'

مرتا ہے تو مر جائے......میں سنبھال لوں گا۔''

''کیوں' تمہارے ہاں مُردوں کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہیں۔کون سا رشتہ دے گا مجھے؟'' میں نے انتہائی نفرت سے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ غصے میں پاگل ہو گیا۔میں اسے جس قدر غصہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا' میری ہر کوشش بے کار جا رہی تھی۔وہ میرا ارادہ بھانپ گیا تھا یا قدرتی طور پر وہ کچھ نہیں کر رہا تھا جو میں چاہ رہا تھا۔اس بار جو میں نے کہا تو واقعتاً غصے میں اپنے حواس کھو بیٹھا اور پوری قوت سے مجھے تھپڑ مارنے کے لیے لپکا' یہی وہ موقع تھا جس کے لیے میں کوشش کر رہا تھا۔اس کا دائیں ہاتھ اوپر اٹھا ہوا تھا' بائیں ہاتھ کی بھینچی ہوئی مٹھی کمر کے پیچھے تھی' وہی ایک لمحہ تھا، میں نے آگے بڑھ کر اس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا' دوسرا ہاتھ اس کی مٹھی والے بازو پر ڈالا اور چشم زدن میں گھوم کر اس کی گردن میں بازو حمائل کر دیا۔وہ ایک دم سے ٹھٹک گیا اور پھر وہیں ساکت ہو گیا۔میں نے ریوالور کے وزن سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خالی نہیں ہے۔بس سیفٹی کیچ نہیں ہٹا ہوا تھا۔میں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ریوالور لا کر سیفٹی کیچ ہٹایا اور سرد لہجے میں بولا۔

''یہ ہے تیری اوقات......!اب چل وہیں لے چل جہاں سے تو مجھے لایا تھا' ورنہ تُو تو مرے گا ہی باقی کا مجھے پتا نہیں۔''

''دیکھ گولی نہیں چلانا' میں......تجھے لے چلتا ہوں......چل......'' اس نے تیزی سے کہا اور باہر جانے کو تیار ہو گیا۔قریب کھڑے سپاہی اس صورت حال سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ان میں سے ایک تیزی سے باہر کی جانب بھاگا۔میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ کر بھاگا تھا۔چاہے انتہائی غصے میں ہی سہی' مگر میں خواہ مخواہ خود کو مجرم ثابت کر رہا تھا۔میرا لاشعور مجھے ایسی حرکت کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔مگر وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں ذرا سی بھی کمزوری دکھاؤں۔بعد میں جو ہوتا وہ میں بھگت لیتا۔اس وقت جو انہوں نے مجھے ذلیل کر کے پکڑا تھا' اس نے میرا دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔میں رندھاوا کو قابو کیے جب اندرونی کمرے سے باہر برآمدے میں آیا تو پورے تھانے میں لوگ ہم دونوں کا تماشا کر رہے تھے۔ان میں پولیس والے بھی تھے اور سویلین بھی۔کچھ جذباتی پولیس والوں نے اپنی گنیں سیدھی کیں اور کچھ غیر ارادی طور پر ہماری جانب لپکے مگر افضل رندھاوا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔اس سے پہلے کہ میں برآمدے کی دو چار سیڑھیاں اتر کر صحن عبور کرتا اور پھر باہر نکل جاتا' تھانے میں آگے پیچھے دو گاڑیاں تیزی سے آن رکیں۔

سفید رنگ کی کار میں سے شاہ زیب باہر نکلا۔وہ میری جانب حیرت سے دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔میری توجہ بٹی اور شاید اس پر افضل رندھاوا نے میری گرفت کو ڈھیلی محسوس کیا۔اس لیے میرا بازو اپنی گردن سے ہٹانے کی تیزی سے کوشش کی۔میں نے اسے مزید دبا دیا۔یہاں تک کہ اس کی آنکھیں باہر ابل پڑیں۔یہ لمحوں میں ہوا تھا۔دوسری گاڑی نور دہیل جیپ تھی جس کے شیشے کالے تھے۔اس میں سے پیرزادہ وقاص باہر نکلا۔وہ میری طرف انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔تبھی شاہ زیب نے اونچی آواز میں کہا۔

''چھوڑ دے جمال اسے......میں آ گیا ہوں......اب یہ تجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔''

میں نے افضل رندھاوا کو چھوڑنے میں ذرا سا توقف کیا تھا۔شاید اس لیے پیرزادہ وقار پر سکون مگر بھاری لہجے میں بولا۔

''اب چھوڑ بھی دے یار' یہ رندھاوا اپنا ہی بندہ ہے۔''

میں نے ایک دم سے اسے چھوڑا تو وہ کھانسنے لگا۔ میں نے ریوالور کے چیمبر میں سے گولیاں نکالیں اور خالی ریوالور اس کے ہولسٹر میں ڈالنے کی بجائے اس کی جانب بڑھا دیا۔ جسے اس نے آرام سے پکڑ لیا' اس کے انداز میں شرمندگی کا بھرپور تاثر تھا۔ میں باہر کی جانب نہیں لپکا بلکہ واپس مڑا اور ایس ایچ او کے کمرے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے پیچھے پیچھے وہ بھی آ گئے۔ اس بار رندھاوے کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ میری جانب ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھے۔ میرے دائیں جانب پیرزادہ وقاص اور بائیں طرف شاہ زیب آ کر بیٹھ گئے۔

''کیوں پکڑ کر لائے ہو اسے؟'' شاہ زیب نے بظاہر سکون سے پوچھا تھا لیکن اس کے لہجے میں سے غصہ چھلک رہا تھا۔

''گاڑی برآمد ہوئی تھی اس سے' چند دن پہلے ڈکیتی ہوئی تھی اور اس....'' رندھاوا نے کہنا چاہا مگر اس کی بات کاٹتے ہوئے پیرزادہ وقاص نے پوچھا۔

''یہ بتایا کس نے کہ گاڑی اس کے گھر کی سامنے کھڑی ہے....؟''

''وہ چوہدری حفیظ.... ابھی کچھ دیر پہلے یہاں تھا۔ اس نے بتایا تو میں نے چھاپہ مارا' اور گاڑی مل گئی۔'' رندھاوے نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ اس وقت تک کافی حوصلہ پکڑ چکا تھا۔

''یہ تصدیق کیے بغیر کہ گاڑی اس نے چرائی ہے یا نہیں' تم اسے پکڑ کر یہاں تھانے میں لے آئے ہو' اور وہ بھی اس قدر ذلیل کر کے.... کیوں.... اس کا جواب دو....'' شاہ زیب نے غصے میں کہا۔

''سچ کیا ہے وہ بولو انسپکٹر.... یہ بچوں جیسی باتیں مت کرو' ورنہ مجھے اور شاہ زیب کو یہاں دیکھ کر تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ یہ علاقہ تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔'' پیرزادہ وقاص نے سخت لہجے میں کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہا پھر الجھتے ہوئے بولا۔

''دیکھئے' ابھی آپ اسے لے جائیں۔ میں آپ کو بعد میں بتا دوں گا۔''

رندھاوے نے یہ لفظ بہت مشکل سے کہے تھے۔ شاید اس کے اندر ہی اندر کچھ اور لاوا پک رہا تھا یا پھر وہ خجالت کے باعث بات نہیں کر پا رہا تھا۔ کچھ ایسا تھا' جس کی وجہ سے وہ اذیت محسوس کر رہا تھا' میں نے اس کی اذیت میں اضافہ کرنے کی خاطر کہا۔

''دراصل' یہ جو ہمارا سسٹم ہے نا' اس میں بے چارے پولیس والے بھی کیا کریں جاگیرداروں' وڈیروں' سیاسی لیڈروں اور سرکاری افسروں کی حفاظت کرتے کرتے' ان میں غلامی کی عادت آ چکی ہے۔ یہ طاقت کی زبان سمجھتے ہیں یا رشوت کی' انہیں صرف غریبوں پر تشدد اور مظلوموں پر ظلم کرنا آتا ہے.... ورنہ یہ مجھے میرے گھر کے سامنے سے یوں ذلیل کر کے نہ لاتا' پتا نہیں اس نے کس کی غلامی کی ہے' رندھاوے بول دے' کس کی غلامی کی ہے تو نے....؟'' میرے لہجے میں طنز کی کاٹ کچھ زیادہ ہی آ گئی تھی۔ میرا گلا ہوا زہر برداشت کرتے ہوئے اس نے تحمل سے کہا۔

''تیری طرح جو خواہ مخواہ اپنی جرات دکھاتے پھرتے ہیں نا' جب ان کی چمڑی اُدھڑتی ہے تو پہچانے نہیں جاتے۔ ان دو معزز لوگوں کی وجہ سے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ اب اپنی زبان کو لگام دے۔'' افضل رندھاوے اپنی مزید بے عزتی برداشت نہیں کر سکا' تبھی پیرزادہ وقاص بولا۔

''میرے سوال کا جواب نہیں دیا انسپکٹر تم نہیں جانتے' تیری خاموشی سے علاقے میں کتنی بڑی الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اس کے یوں کہنے پر رندھاوے نے خود پر قابو پاتے ہوئے پیرزادہ وقاص کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھ پر یقین کریں گے؟''

''کروں گا۔'' اس نے ایک دم سے کہا۔

''تو پھر سنیں......! مجھے میرے اعلیٰ آفیسر کا فون ملا۔ یہ جیپ جو اس کے گھر کے سامنے سے ملی ہے' یہ ملک سجاد کے بیٹے کی ہے۔ وہی ملک سجاد جو اس وقت وفاقی وزیر ہے۔ چوہدری حفیظ اس کا بھیجا ہوا بندہ تھا۔ اب میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا' کیا نہیں۔ میں نے افسر کا حکم مانا ہے۔ چند دن پہلے ڈکیتی میں یہ گاڑی چھینی گئی تھی، جو میں نے برآمد کی ہے۔ درمیان کی کہانی کیا ہے' میں نہیں جانتا۔'' وہ تذبذب بھرے انداز میں بولتا چلا گیا تھا جس پر شاہ زیب بولا۔

''تو پھر اپنے اس اعلیٰ افسر کو رپورٹ کرو اور اس سے پوری کہانی سمجھاؤ' کیونکہ اس گاڑی پر چھ مسلح افراد اس پر قاتلانہ حملہ کرنے آئے تھے اور دوسری بات...... اپنے اعلیٰ افسر کو یہ سمجھا دو...... جمال کو ہاتھ لگانے سے پہلے حویلی سے اجازت لینا ہو گی......'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ تبھی پیرزادہ وقاص بھی اٹھ گیا۔ ہم تینوں باہر صحن میں آ گئے۔ میری حالت خاصی خراب تھی۔

''چلو' ہسپتال چلتے ہیں۔'' پیرزادہ نے کہا۔

''نہیں' میں گھر جاؤں گا۔ میں اپنی چوٹوں کا علاج خود کر لوں گا۔'' میں نے کہا تو شاہ زیب نے کار کا گیٹ کھول دیا۔ تبھی پیرزادہ بولا۔

''شاہ زیب...... مجھ پر کسی قسم کا شک مت کرنا' میں منافقوں کی طرح سیاست نہیں کرتا۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کی ولدیت میں کچھ شک ہوتا ہے۔ میں میدان کا بندہ ہوں۔ ہار جیت اپنی جگہ' زندگی رہی تو تیرے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا۔ مگر جمال کے بارے میں میری کوئی سازش نہیں ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا۔''

''میں تم پر یقین کرتا ہوں وقاص' بس یہ جیپ والے معاملے میں تعاون کرو' ورنہ میں جمال کا شک دور نہیں کر پاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ پورے تھانے کے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت میرے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور میں جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہ رہا تھا۔ رات تیزی سے سر پر آ رہی تھی اور میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں نہیں ہیں تو پھر تیسرا کون ہے؟

☆ ☆ ☆

وہ پھر وہیں پر آ گئے' جہاں سے انوجیت نے اپنا گھر دکھایا تھا۔ گاڑی پکی سڑک سے اتر کر کچے راستے پر چل پڑی' کچھ ہی فاصلے پر وہ سرخ اور سفید حویلی نما کوٹھی دکھائی دے رہی تھی' جسپال سنگھ کا دماغ ابھی تک گرم تھا۔ اسے پولیس چوکی میں آفیسر کی باتیں بہت بری لگی تھیں مگر، اس کے ساتھ ہی لاشعوری طور پر اس کے دماغ میں بہت سارے سوال جنم لینے لگے تھے۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا کہ اسے اس نہج پر سوچنے کا موقع مل گیا کہ یہاں بھارت میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ ہر سوال اپنی توجہ چاہ رہا تھا لیکن وہ وقت نہیں تھا کہ اس پر سوچ سکتا۔ وہ پوری توجہ سے اس

پر غور کرنا چاہ رہا تھا۔ گھر بہت قریب آ گیا تھا۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

''اوئے تو نے بارن تو دیا نہیں اور......'' جسپال سنگھ نے یونہی کہا۔

''یار' اندر ہمارا انتظار ہو رہا ہے اور جس راستے سے ہم آئے ہیں وہ چھت سے صاف دکھائی دیتا ہے۔''

''اوہ...... تبھی کہوں......'' جسپال کے چہرے پر بشاشت اتر آئی تھی۔

کوٹھی کے اندر بڑا سا لان تھا جس کے گرد ایک سیاہ سڑک بڑے سارے پورچ سے ہو کر دوسرے گیٹ تک چلی گئی تھی۔ انوجیت نے گاڑی پورچ میں روکی تو سیاہ داخلی دروازہ کھل گیا' جس کے درمیان کلجیت کور کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھال تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ان کی جانب بڑھا' کلجیت کور نے کٹوری میں پڑا تیل دروازے کے دونوں جانب ڈالا' اس کی نذر اتاری اور پھر تھال قریب کھڑی لڑکی کو تھما کر جسپال کو گلے لگا لیا۔

''آ پتر......! دھن بھاگ ہمارے کہ تو نے اس گھر میں اپنا قدم رکھا۔''

پھر وہ راہداری کی جانب چل پڑے۔ ڈرائنگ روم میں کچھ لوگ موجود تھے۔ جن میں کچھ مرد اور زیادہ خواتین تھیں۔ وہ سب بڑی عمر کے تھے۔ اس نے سب کو ہاتھ جوڑ کر فتح بلائی' جس کا سبھی نے جواب دیا۔ پھر اس نے مرد حضرات سے ہاتھ ملایا' خواتین سے پیار لیا' تبھی کلجیت کور نے کہا۔

''ادھر آ پتر......ادھر بیٹھ میرے پاس......'' ایک صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی کلجیت کور نے کہا۔'' یہ سب تیری آمد کا سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔ یہ سب تیرے باپو اور ماں کے ملنے والے ہیں۔ شاید اس ملاقات میں تو ان کے نام بھی یاد نہ رکھ سکے مگر یہ تیرے لیے یہاں پر ہیں۔ ہم سب تیری آمد پر بہت خوش ہیں۔ ایک خواب تھا جو پورا ہوتا ہوا لگتا ہے۔''

''بہت شکریہ جی آپ سب کا۔ آپ سب میرے والدین کے ملنے والوں میں سے ہیں تو میرے لیے اتنے ہی محترم ہیں' جتنے میرے والدین۔ اس عزت افزائی پر میں آپ کا احسان مانتا ہوں۔'' جسپال سنگھ نے پھر سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ تبھی ایک بزرگ سے شخص نے کہا۔

''او ر دیکھ بھئی کاکا......! تو نے وینکوور سے بھارت تک کا ایک طویل سفر کیا اور صبح امرتسر پہنچا' پھر یہاں تک تو نے ایک لمبا سفر کیا۔ تو ایسے کر فریش ہو جا' پھر کھانا کھا کر آرام کرنا۔ تو بھی یہاں اور ہم بھی یہاں' ملتے رہیں گے۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔''

سبھی نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ انہی لمحات میں اندر کی جانب سے ایک لڑکی نمودار ہوئی۔ دراز قد' کومل سی' گلابی گورا رنگ' جس پر ہلکے کاسنی رنگ کے شلوار اور ہاف سلیو قمیص خوب جچ رہی تھی۔ کھلے گلے میں لمبا سا مہین آنچل دونوں جانب ڈھلکا ہوا تھا۔ سیاہ دراز گیسو اس کی کمر تک پھیلے ہوئے تھے۔ سفید نازک سا جوتا پہنے وہ بڑے انداز سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں ٹرے پکڑے چلتی چلی آ رہی تھی۔ جسپال ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ کیا بھرپور حسن تھا۔ اگرچہ اس مہ جبیں کے نقوش تیکھے تھے مگر اس کے بدن کی طرح ہر خط اس طرح مناسب تھا کہ حسن خود بخود چھلک رہا تھا۔ پنجاب کا حسن' موٹی آنکھیں' جو کاجل کی مانند سیاہ بھنورا تھیں' بھاری پلکیں' تیکھی تلوار ناک' پتلے رسیلے ہونٹ اور دائیں گال میں ڈمپل' وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو جدید پرفیوم کی مہک نے ایک دم سے اسے فریش کر دیا۔ وہ اسے اتنے قریب سے

دیکھ کر نہال ہو گیا تھا۔

''یہ لسی جی آپ کے لیے۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو جسپال کو ہوش آ گیا۔ اس نے سامنے پڑے ہوئے بڑے سارے پیتل کے گلاس کو دیکھا جو لبالب لسی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے یوں اٹھایا جیسے حکم مان رہا ہو۔ پھر گلاس ہونٹوں سے لگا کر اس وقت الگ کیا جب خالی ہو گیا۔

''یہ ہرپریت کور ہے...... اپنے انوجیت سے کچھ ہی سال چھوٹی۔'' کلجیت کور نے تعارف کرایا۔ جسپال کو احساس تھا کہ بھی نگاہیں اسے دیکھ رہی ہیں تبھی ہرپریت نے کہا۔

''آئیں...... میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں......''

''چلو......'' جسپال سنگھ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ آگے آگے جا رہی تھی اور جسپال کے ذہن میں نجانے کیوں صحرا میں پھرنے والی ہرنی کا تصور ابھر رہا تھا۔ چنچل سی ہرپریت کور اس کے من میں ایک دم سے سما گئی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل تک گئے اور پھر ایک کمرے میں داخل ہو کر ہرپریت بولی۔

''لو جی جسی سنگھ جی یہ ہے آپ کا کمرہ فی الحال فریش ہو جائیں۔ ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہے۔ پھر بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو بہت سارے نوکر ہیں یہاں پر آواز دے لیں۔''

''تمہیں...... تمہیں آواز دے لوں تم ان کی ہیڈ ہو۔'' جسپال سنگھ نے شرارت سے کہا۔

''اوہ ہمیں اپنا نوکر ہی سمجھ لیں تو بڑی بات ہی جی آپ آواز دے کر تو دیکھیں جی۔'' ہرپریت نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا تو جسپال ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ ہرپریت اسے بڑی ذہین اور متحمل مزاج لگی تھی۔ اسے لگا کہ شاید اسے مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا تب وہ بولا۔

''سوری ہرپریت میں تو مذاق میں......''

''او نہ جی جسی جی ہمیں آپ کا مذاق بھی اچھا لگتا ہے۔ آپ فریش ہو جائیں، باتوں کے لیے بڑا وقت ہے جی میں چلی آپ جلدی آ جائیں مہمان کھانے پر آپ کا انتظار کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ مزید کوئی بات سنے بغیر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ جبکہ جسپال کافی دیر تک اس کی سادگی پر اس کے بات کرنے کے انداز میں معصومیت اور اس کے حسن میں کھویا رہا۔

کھانے کا اہتمام کوٹھی کے بائیں لان میں کیا گیا تھا جو کافی بڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سیدھا راستہ جاتا تھا جس کے ایک جانب سوئمنگ پول اور دوسری جانب لان ٹینس کورٹ تھا۔ آگے پھر ایک لان اور اس کے بعد ملازمین کے کمرے تھے جسے ایک دیوار کے ساتھ الگ کیا ہوا تھا۔ کھانے پر زیادہ گفتگو نہیں ہوئی۔ بس اس کے سفر اور وینکوور کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر بندے نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے ہاں آنے کی بصد شوق دعوت دی۔ کھانے کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ انوجیت مہمانوں کے ساتھ مصروف رہا اور یہی حال ہرپریت کور کا تھا۔ آخری مہمان کے رخصت ہوتے ہی کلجیت کور اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''چل پتر......! اب جا اپنے کمرے میں اور سکون سے جا کر سو جا۔ تو بہت تھک گیا ہو گا نا' آرام کر۔'' وہ بڑے خلوص اور ممتا بھرے لہجے میں بولی۔

''نہیں پھوپھو جی' مجھے ابھی نیند نہیں آئے گی۔ ہم ابھی کچھ دیر بیٹھتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے کلجیت کور کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ہرپریت اور انوجیت دونوں وہیں آ گئے۔ شاید انہوں نے جسپال کی بات سن لی تھی۔ اس لیے ہرپریت بولی۔

''چلیں بیٹھیں' میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''ابھی تو اتنے ملازم تھے یہاں۔'' جسپال نے بے ساختہ کہا۔

''لیکن خاص مہمانوں کے لیے' خاص سیوا اپنے ہاتھوں سے کی جاتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو چلو' مجھے یہ تو معلوم ہوا کہ میں خود کو اس گھر کا فرد نہیں' بس مہمان ہی سمجھوں۔'' اگرچہ یہ بات جسپال نے یونہی مذاق میں کہی تھی لیکن کلجیت کور نے تڑپ کر کہا۔

''نہ پتر...... ایسے نہ کہو۔ تو اس گھر کا فرد ہی نہیں' بلکہ اس گھر کا مالک بھی ہے۔ یہاں بیٹھ' میں تجھے سمجھا دوں۔''

''پھوپھو جی' یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جسپال نے تجسس سے پوچھا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہرپریت تو جا اور جوتی سے چائے لانے کو کہہ دے۔'' کلجیت کور نے کہا جس پر وہ بولی۔

''جی ابھی کہہ آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی' کلجیت کور چند لمحے جسپال کے چہرے پر پھر انوجیت کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ تقریباً تیرا ہم عمر ہے۔ کوئی چند ماہ زیادہ ہو گی' تیری پھوپھو سکھ جیت کور اور میں دونوں ایک ہی آنگن میں کھیلتی رہیں۔ کبھی وہ ہمارے گھر ہوتی یا میں اس کے گھر' سارا دن یونہی گزر جاتا' پھر ایک دن میرے باپو نے ہم دونوں کو پکڑا اور اس پنڈ اوگی کے اسکول میں چھوڑ دیا، جہاں اور بہت سارے بچے پڑھتے تھے۔ وقت گزرتا گیا اور ہم نے جوانی میں قدم رکھا۔''

''یہ آپ دونوں کے آنگن کہاں تھے......؟'' جسپال نے پوچھا۔

''وہی' جس حویلی میں تو ابھی گیا تھا' یہ پہلے کچا گھر ہوتا تھا' تیرے دادا کے زمانے میں' اور اس کے ساتھ والا گھر ہمارا تھا' پھر میرے باپو نے گاؤں سے باہر نیا گھر بنوایا تو ہم نے وہ گھر تیرے دادا کو دے دیا تھا تاکہ گاؤں میں کھلی اور اچھی حویلی بن جائے۔'' کلجیت نے بتایا۔

''اچھا تو پھر......!'' جسپال نے پوچھا۔

''پھر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی' جیسے حوصلہ جمع کر رہی ہو۔ چند لمحے یونہی خاموش رہنے کے بعد بولی۔ ''سن پتر......! وہ باتیں بھی سن لیں جو تو نہیں جانتا۔''

''ہاں پھوپو......! تو آج ہی بتا دے مجھے......'' وہ تیزی سے بولا۔

"وہ بڑا کالا دن تھا' جب ہم دونوں' میں اور سکھ جیت کھیتوں کی طرف سے واپس آ رہی تھیں۔ اس دن سرپنچ کا بیٹا رویندر سنگھ اپنی کار پر شہر کی طرف جا رہا تھا' وہ بہت عرصے سے چندی گڑھ میں رہ رہا تھا' وہیں پڑھتا تھا' چھٹیوں میں ہی یہاں آتا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی کار روک لی' ہمارے تو ذہن میں بھی نہیں تھا کہ یہ کار ہمارے لیے بھی رُک سکتی ہے۔ جیسے ہی ہم قریب گئیں' وہ اپنی کار سے باہر نکل آیا' اور بڑے بُرے انداز میں سکھ جیت کو دیکھنے لگا۔ ہم چپ چاپ وہاں سے گزر جانا چاہتی تھیں کہ اس نے سکھ جیت کا بازو پکڑ لیا اور ساتھ ہی اس نے کوئی فضول بات کی' جسے سکھ جیت برداشت نہیں کر سکی۔ اس نے گھما کے تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ سرپنچ کے بیٹے کو ایسے ردعمل کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ غصے میں پاگل ہو گیا۔ اس نے دست درازی کرنا چاہی' لیکن سکھ جیت اس کے قابو کہاں آنے والی تھی' اور پھر میں اس کے ساتھ تھی' ہمارے شور مچانے اور مزاحمت کی وجہ سے اردگرد کے قریب کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ ہماری جانب دوڑے' لیکن تب تک رویندر وہاں سے کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ شاید معاملہ وہیں رفع دفع ہو جاتا' اگر دو باتیں نہ ہوتیں۔

"کون سی؟" جسپال نے تیزی سے پوچھا۔ اس دوران ہرپریت وہاں آ کر انوجیت کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔

"ایک تو اردگرد لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا' اور دوسرا بازو کے قریب سے سکھ جیت کور کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ لازمی طور پر گھر میں پوچھ گچھ تو ہونی تھی کہ یہ کیا ہوا؟ تب سکھ جیت نے گھر جاتے ہی ساری بات اپنے باپو کو بتا دی۔ وہ شدید غصے میں آ گیا مگر اس نے خود پر قابو رکھا' اور بات کرنے سرپنچ کے پاس چلا گیا۔ اب بھائیوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا لیکن باپو انہیں روک کر گیا تھا کہ میرے آنے تک کوئی کچھ نہ کرے۔ پھر دوپہر ڈھل گئی۔ باپو واپس نہ آیا تو بھائیوں کو اس کی فکر ہوئی۔ تیرا باپ کلوندر سنگھ اس کا پتا کرنے کے لیے گھر سے نکلا' مگر جلد ہی دونوں باپ بیٹا واپس آتے ہی دکھائی دیئے۔" کلجیت کور سانس لینے کے لیے رک گئی تو جسپال مضطرب ہو کر رہ گیا۔ تبھی وہ پھر بولی۔ "سرپنچ نے باپو کی بات ماننے کی بجائے انہیں بے عزت کر دیا تھا کہ تو میرے پتر پر الزام لگاتا ہے۔ شام تک پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی۔ کچھ لوگوں نے سرپنچ کو بتا بھی دیا کہ رویندر نے غلط کیا ہے' مگر اس نے اپنے پتر کو برا نہیں کہا بلکہ یہ کہہ دیا کہ سکھ جیت ہی غلط تھی' جس نے خواہ مخواہ الزام لگایا۔"

"سکھ جیت کے بھائیوں نے کچھ نہیں کیا۔" جسپال نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں پتر......! وہ تو چاہ رہے تھے کہ ابھی کے ابھی جائیں اور رویندر سمیت سرپنچ کو بھی مار دیں لیکن باپو نے عقل مندی کی اور انہیں اندر بیٹھ کر انہیں سمجھایا۔ وہ خاموش ہو گئے۔" یہ کہتے ہوئے وہ سانس لینے کے لئے رُکی۔

"وہ کیوں خاموش ہو گئے' پھوپھو......" وہ تڑپ اٹھا۔ اس دوران جُوتی چائے لے کر آ گئی تھی۔

"بتا رہی ہوں پتر!" یہ کہتے ہوئے اس نے جُوتی کی جانب دیکھ کر کہا۔ "تم جاؤ' اور جلدی سے کام سمیٹ لو' چائے ہرپریت بنا لے گی۔"

"جی ٹھیک ہے۔" جُوتی نے ادب سے کہا اور الٹے قدموں واپس پلٹ گئی۔ جسپال سمجھ گیا کہ وہ اس کے سامنے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

"باپو اگلے دن ہی صبح ساتھ والے گاؤں چلا گیا۔ تاکہ سکھ جیت کی جہاں منگنی ہوئی تھی' انہیں کہہ دے کہ وہ سکھ جیت کو بیاہ لے جائیں۔ ان کا لڑکا جالندھر میں سرکاری نوکری کرتا تھا۔ انہوں نے چند دن ہی میں سکھ جیت کو بیاہا اور وہ اپنے گھر کی ہو گئی۔ اب سارے بھائی انتظار کرنے

لگے کہ کب روبندر گاؤں میں آتا ہے' سکھ جیت سے دست درازی کرنے کے ٹھیک دو ماہ بعد روبندر گاؤں آیا تو سارے بھائیوں نے مل کر روبندر کو پکڑ لیا۔ مجھے بھی ساتھ لیا اور اس جگہ چلے گئے جہاں روبندر نے دست درازی کی کوشش کی تھی۔ وہاں لے کر انہوں نے روبندر کو اتنا مارا' اتنا مارا کہ اس کے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ دونوں ہاتھ توڑ دیئے۔ پھر اسے لے جا کر گاؤں کے چوراہے پر پھینک دیا۔''

''سرپنچ نے کوئی ردعمل......؟'' اس نے پوچھتے ہوئے اپنے سامنے پڑا چائے کا مگ اٹھا لیا۔

''اس نے اپنے بندے بھیجنے کی بجائے پولیس بھیج دی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی تیرا باپو کلوندر سنگھ تھانے چلا گیا۔ اس نے وہاں جا کر یہ قبول کیا کہ روبندر کو اس نے مارا ہے۔ سرپنچ نے اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے پولیس بھیجی لیکن وہ کسی کو پکڑے بغیر واپس چلی گئی۔ تیرے دادا نے تو سب کچھ پہلے ہی سوچا ہوا تھا۔ ایک دن بعد تیرے باپو کی ضمانت ہوگئی وہ گھر آ گیا۔ اب عدالت میں مقدمہ ہی چلنا تھا۔ دوسری طرف دادا نے سرپنچ کو دھمکی لگا دی تھی کہ اب اس کی باری ہے' اسے یونہی مارنا ہے اور گاؤں کے چوراہے میں اپاہج کر کے پھینکنا ہے۔ بات بڑھ گئی' گاؤں کا گاؤں دادا جی کی طرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ سرپنچ کو مقدمہ واپس لے کر معافی مانگنا پڑی اور معاملہ وقتی طور پر دب گیا۔ بہر حال روبندر کو اپاہجوں کی طرح بنا کر انہوں نے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا۔'' اس نے پوچھا۔

''تقریباً ایک سال تک کوئی بات نہیں ہوئی اور سن چوراسی کی بیساکھی آ گئی۔ میری شادی بھی ہوگئی تھی اور میں اس گاؤں میں رہ رہی تھی۔ تیرے باپو کی شادی بھی ہو چکی تھی اور تو پیدا ہو چکا تھا۔ اس برس تیرا باپ دربار صاحب تیری منت اتارنے گیا تھا اور پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ اندرا حکومت نے بہت بڑا ظلم کر دیا تھا۔ تیرے سارے گھر والے تیرے باپ کی تلاش میں تھے' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ سکھ نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر مارا جا رہا تھا۔ کوئی اس ڈر سے بھی باہر نہیں نکلتا تھا کہ پتا نہیں واپسی ہو بھی یا نہیں۔ یہاں تک کہ اندرا گاندھی کا قتل ہو گیا۔ پھر جو سکھوں پر بھاری آئی' وہ یاد کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

''کیا بھاری پڑی؟'' اس نے تجسس سے پوچھا

''ہم سن رہے تھے کہ گھر گھر تلاشیاں لی جا رہی ہیں۔ لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ انہی دنوں میں اچانک ایک رات اس گاؤں کو بھی فوج نے گھیر لیا۔ مجھے اس وقت یقین ہوا جب وہ ہمارے گھر میں داخل ہوئے اور انوجیت کے باپو کو پکڑ کر لے گئے۔ اس وقت انوجیت اس دنیا میں آنے والا تھا۔ میری حالت اتنی ٹھیک نہیں تھی۔ مگر میں ہمت کر کے باہر نکلی تاکہ اپنے باپو کو بتا دوں۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ میرے باپو اور بھائیوں سمیت سب کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ پھر میں تم لوگوں کے گھر کی طرف گئی تاکہ تیرے دادا سے مدد لوں۔ مگر وہاں بھی سارے گھر کے مردوں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ تیری ماں' چاچی' تائیاں رو رہی تھیں۔ اچانک گاؤں کے باہر سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم تڑپ اٹھیں کہ نجانے کیا ہو گیا ہے۔ تیری ماں اور تائی تیار ہوگئیں کہ جا کر معلوم کرتی ہیں۔ اس نے تجھے میری گود میں دیا اور وہ دونوں پتہ کرنے چل پڑیں۔ ہم تینوں ابھی دالان پار کر کے باہر والے پھاٹک سے نکلی ہی تھیں کہ سامنے سے ایک جتھہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم فوری طور پر تو نہ سمجھ سکیں لیکن وہ تیرے باپ اور دادا کو غلیظ گالیاں نکال

رہے تھے۔ اس وقت نجانے کیوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ حویلی پر حملہ آور ہوں گے۔ میں تجھے لے کر سامنے والے گھر میں گھس گئی۔ تیری ماں اور تائی واپس پلٹ کر پھاٹک بند کرنے لگی تھیں، لیکن نہ کر سکی۔ فائرنگ ہوئی اور دونوں وہیں ڈھیر ہو گئیں پھر میں دیکھ تو کچھ نہ سکی لیکن حویلی سے فائرنگ کی آوازیں' چیخ و پکار ابھرتی رہی۔ پھر حویلی کو آگ لگا دی گئی۔ مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے اندر تھے سب کو جلا دیا گیا' حویلی کو آگ لگے سب نے دیکھی لیکن کسی نے آگ بجھانے کی ہمت نہیں کی۔ میں پریشان تھی' تو بلک رہا تھا' میں واپس گھر چلی گئی۔ وہیں تمہیں اپنی گود میں سمیٹ کر واہ گرو کو یاد کرتی رہی۔ اس سے مدد مانگتی رہی۔''

''پھر کیا ہوا!'' جسپال نے ہولے سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا' گاؤں سے جتنے بھی مرد پکڑ کر وہ لے گئے تھے' انہیں گاؤں سے باہر سڑک پر لے جا کر گولی مار دی تھی۔ ان پر دہشت گرد ہونے کا شک تھا۔ اس میں انوجیت کے باپو بھی...... ''کلجیت کور کہتے کہتے رک گئی' پھر کافی دیر تک اس سے بولا نہیں گیا۔

''سوری پھوپھو......!'' جسپال نے مگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ اس دوران کلجیت کور نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اس لیے خود کو سنبھال کر بولی۔

''وہ رات قیامت کی رات تھی' میرے گھر کے صحن میں میرے شوہر کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ میری گود میں انجانا بچہ اور خود میں' میری ماں کے گھر میرے باپو اور بھائیوں کی لاشیں' حویلی جل کر دھواں دے رہی تھی' وہاں سب ختم ہو چکے تھے۔ گاؤں کے کئی گھروں میں یہی قیامت ٹوٹی تھی۔ کون کس کو سنبھالتا' صبح ہوئی تو گاؤں کے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ مجھے یاد رہا تو بس سکھ جیت کور کا چہرہ' وہ آئی تو اس نے سب کچھ سنبھال لیا۔ اس کا شوہر بہت سمجھدار بندہ تھا۔ اس نے سب کی آخری رسومات ادا کیں' اور تجھے لے کر اپنے گاؤں چلے گئے۔'' اس وقت کلجیت کور یوں ہو گئی جیسے اب اس سے بولنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ تبھی انوجیت بولا۔

''بے بے...... آگے بتاؤ نا' اب جسپال کے سارے سوالوں کا جواب دو۔''

''بتاتی ہوں پتر......!'' اس نے یوں کہا جیسے اپنے اندر کی ساری ہمتیں جمع کر رہی ہو۔'' پھر سکھ جیت کور اپنے شوہر کے ساتھ چند دن بعد آئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کینیڈا جا رہے ہیں اور پھر میرا ان سے بہت عرصے تک رابطہ نہ ہوا۔ لیکن سکھ جیت کور کے سسر نے میری بڑی دیکھ بھال کی' اس نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا' میں رہی تو یہیں اوگی پنڈ میں لیکن میرا خیال وہی کرتے رہے۔''

''پھر پھوپھو سکھ جیت کور سے آپ کا رابطہ کب ہوا؟'' جسپال نے بہت سوچ کر سوال کیا۔

''کوئی تین چار سال بعد' وہ خود تو یہاں نہیں آنا چاہتی تھی لیکن اپنی ساری زمین اور جائیداد میرے نام کرنا چاہتی تھی' ہمارے درمیان یہ تکرار سال بھر چلتی رہی۔ میں نے اس کا جو کچھ تھا یہاں پہلے ہی سنبھالا ہوا تھا' اس میں سکھ جیت کے سسر نے میری بہت مدد کی' چند سال پہلے ان کا دیہانت ہو گیا ہے۔'' کلجیت کور کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔

''لیکن انہوں نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔'' جسپال سنگھ نے کہا۔

''وہ نہیں چاہتی تھی کہ تم کبھی بھی بھارت واپس آؤ۔ وہ تم سے یہ سب کچھ چھپا کر رکھنا چاہتی تھی۔ ادھر میری کوشش بھی تھی کہ جس کی امانت

ہی اُسے مل جائے۔ پتر......! یہ گھر، یہ زمینیں تمہاری ہیں۔ تم ان کے مالک ہو۔ ہم تو محض امانت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ میں نے ہی انوجیت سے کہا تھا کہ وہ کسی طرح تم سے رابطہ کرے۔ یہ اس رابطے کا نتیجہ ہے کہ تم یہاں پر ہو۔“

یہ سب سن کر جسپال سنگھ کچھ دیر خاموش رہا' پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔

”ایک سوال ہے پھوپھو......! فوج نے گاؤں کے مرد مارے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ خالصتان کے حامی ہیں اور فوج کے نزدیک دہشت گرد ہیں۔ لیکن گاؤں کے دوسرے گھروں کو جلایا نہیں گیا۔ اس بے دردی سے ان کے گھروں کو تباہ نہیں کیا گیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو نہیں مارا گیا۔ ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں؟“

”سرپنچ کی وجہ سے۔“ انہوں نے سکون سے کہا۔”سا کا چوراسی کے بعد لوگوں نے اپنی دشمنیاں بہت نکالیں۔ سرپنچ نے فوج کو گاؤں میں موجود ان لوگوں کے نام بتا دیئے جو کسی نہ کسی حوالے سے خالصتان تحریک کے حامی تھے۔ یہ فوج اور حکومت کا سرپنچوں پر دباؤ بھی تھا۔ لہٰذا جہاں انہوں نے خالصتان کے حامی سکھوں کے نام بتائے' وہاں ان لوگوں کے نام بھی بتا دیئے جن سے وہ کسی نہ کسی حوالے سے دشمنی رکھتے تھے۔ گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے۔ حکومت نے وقتی طور پر تو قابو پا لیا مگر سکھ نسل کو کچل کر رکھ دیا۔ یہ اب تک سنبھل نہیں پائے ہیں۔“

”میں سمجھ گیا پھوپھو......! اب آپ آرام کریں۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔“ اچانک ہی جسپال اٹھ گیا تو باقی سب بھی اٹھ گئے۔ اس وقت جسپال کو خود پر قابو پانا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ساری رات میرے بدن سے ٹیسیں اٹھتی رہیں۔ رات گئے بدن ٹھنڈا ہونے پر کئی جگہوں سے درد اگ آیا تھا۔ میری ماں دیسی ٹوٹکے آزماتی چلی جا رہی تھی۔ درد کی ہر اٹھتی ہوئی ٹیس کے ساتھ میرے اندر نفرت ابلتی جا رہی تھی۔ شاید میں اپنے غصے پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں کس کی منافقت کا شکار ہوا ہوں۔ پیرزادہ وقاص' شاہ زیب یا پھر ملک سجاد؟ میرے سامنے تکون تھی اور میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان تینوں میں سے کون ہو سکتا ہے۔ پہلے دو کے بارے میں تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا' لیکن یہ تیسرا کون ہے؟ کیا وہ کوئی بلا شخص ہے کہ سامنے آئے بغیر ہی اتنا کچھ میرے ساتھ ہو گیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ میری اس کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ پھر ایک سوچ اور بھی تھی کہ کیا یہ ملی بھگت سے گھڑی ہوئی کوئی کہانی تو نہیں؟ وہ منافقین جن کے بارے میں شک ہوتا ہے وہ ایسی ہی سازشیں کرتے ہیں۔ نجانے کتنے سوال تھے جو مجھے ذہنی اذیت دے رہے تھے۔ اور یہی ذہنی اذیت میری قوت بنتی چلی جا رہی تھی۔ میرے اندر ایسا آتش فشاں اکٹھا ہو رہا تھا کہ جس پر پھٹتا' وہاں تباہی لازمی تھی۔ چاہے میں نہ رہتا یا پھر سامنے والا ختم ہو جاتا۔ ہمارے گاؤں کا واحد ڈسپنسر کرم علی مجھے کچھ دوائیاں دے گیا تھا۔ جن سے مجھے تھوڑا فرق پڑا تھا۔ صبح دن چڑھے وہ شہر سے اعلیٰ قسم کے انجکشن اور دوائیاں لے کر آیا۔ اس نے جلدی جلدی مجھے لگائے تو بہت زیادہ سکون محسوس ہوا۔ ساری رات کا جاگا ہوا اور کچھ دوائیوں کا اثر تھا' میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔ مجھے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ میری ماں میرے سرہانے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے

کچھ کھانے کو مانگا تو وہ کچن میں چلی گئی اور میں منہ ہاتھ دھو کر واپس چارپائی پر آ بیٹھا۔ میں کھانا کھا چکا تو ذہن کو ذرا سکون ملا، تب پھر وہی تکون میرے ذہن پر حاوی ہونے لگی، جسے میں نے جھٹک دیا۔ خواہ مخواہ دماغ کھپانے کا فائدہ نہیں تھا۔ جب تک ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، میں اندھیرے ہی میں تھا۔ میں ٹامک ٹوئیاں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ انہی لمحات میں سوہنی چھم سے میرے خیالوں میں اتر آئی۔ اس کے چہرے کے نقوش، بولتی ہوئی آنکھیں، لفظوں کو مٹھاس بخش دینے والے رسیلے ہونٹ اور جذبات کو گدگدا دینے والا تراشیدہ بدن، میری نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ چند دن مزید یہاں رہنا چاہتی تھی مگر کیوں......؟ یہ احساس جسم میں ایک لذت آگہی لہر دوڑا دینے کے لیے ہی کافی تھا۔ میں سوہنی کے خیالوں میں گم تھا کہ کسی کے آنے کی آہٹ پر میں نے دیکھا۔ دروازے کی چوکھٹ میں اشفاق عرف چھا کا کھڑا تھا۔ وہ میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اوئے آ چھاکے......ادھر کیوں کھڑا ہے، ادھر آ بیٹھ۔'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے میرے پاس بیڈ پر ہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ یک ٹک میری طرف دیکھے چلا جا رہا تھا۔ تب میں نے پوچھا۔ ''ایسے کیا دیکھ رہا ہے؟''

''میں یہ دیکھ رہا ہوں جمال کہ تو کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔ زندگی میں پہلی بار پولیس تیرے گھر پر آئی اور تجھے پکڑ کر لے گئی۔ یہ کیسا عجیب اتفاق ہے، اس دن تو نے بندے زخمی کر کے بھگائے، وہ سوہنی تیرے گھر میں تھی۔ یہ اتنا سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔ یہ کیا ہے سب......؟''

''یار تیرے سامنے ہی ہے سب کچھ......'' میں نے عام سے لہجے میں کہا تو وہ بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''نہیں......میں مانتا ہی نہیں...... کوئی ایسا چکر ہے، جسے تو ہمیں بتانا ہی نہیں چاہتا۔ تو اب اتنا خود سر ہو گیا ہے کہ دوستوں کو بھی نظر انداز کر دیا؟'' وہ ایک ہی سانس میں گلے شکوے کر گیا تو مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ یہ چھا کا تو ایسا نہیں تھا۔ یہ مجھ سے کیوں بدظن ہو رہا ہے؟ میں نے چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوئے نہیں اوئے چھاکے......! تجھے بتائے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں کرتا، یقین جانو مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی کہ سب ہو کیا رہا ہے؟''

''نہیں سمجھ آتی تو کسی سیانے بندے سے بات کر لیتے ہیں۔ کسی دیوار ہی سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی عقل کی بات آ جاتی ہے دماغ میں۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اب تجھ سے زیادہ سیانا بندہ دوسرا کون ہے میری جان۔ لیکن کیا کروں، بات کرنے کا وقت ہی نہیں دیا ظالموں نے۔''

''میں تو اتنا جانتا ہوں جمالے، بچپن سے لے کر اب تک، پہلی بار تو نے مجھ سے ہٹ کر، مجھے بتائے بغیر کچھ کیا ہے اور تو اس حال کو پہنچ گیا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ تو کرتا نا تیرے لیے۔'' اس نے چند لفظوں میں میری اوقات میرے سامنے رکھ دی۔ بچپن سے لے کر اب تک کے نجانے کتنے واقعات چشم زدن میں میری نگاہوں میں گھوم گئے۔ جب چھاکے نے میرے لیے اپنی جان کی بازی تک لگا دی تھی۔ میں چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ اختصار کے ساتھ اسے ساری بات بتا دی۔

''اب بتا، میں تجھے کس وقت یہ ساری باتیں بتاتا۔''

''تیری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تو شاہ زیب کی دعوت پر کسی کو بتائے بغیر اکیلا گیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اس دفعہ پہلی بار میلے میں لڑائی ہوئی ہے' مطلب شاہ زیب کے دماغ میں کچھ تھا' جو وہ اپنا لشکر تیار کر کے وہاں گیا۔ مجھے بھی دعوت دی گئی تھی۔ میں تو ان کے ساتھ نہیں گیا۔ مجھے ضرورت ہی نہیں ان کی چاکری کرنے کی۔ میں حیران ہوں کہ تو نے کس مقصد کے لیے اس کی دعوت قبول کی۔'' چھاکے کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

اس کی حیرت بجا تھی۔ میرا شاہ زیب کی دعوت قبول کر لینے میں اپنا مقصد تھا۔ مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں اپنا مقصد چھاکے ہی کو کیا' اپنے سائے کو بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ میرے مقصد کی کامیابی' اسے راز ہی میں رکھنے سے تھی۔ یہی میری قوت تھی اور یہی مجھے بنانے سنوارنے اور میری تربیت کر دینے والی ان دیکھی طاقت تھی۔

''بس یونہی یار! اس نے مجھ سے کہا اور میں نے ہاں کر دی۔ پھر میں چلا گیا۔ اب دیکھو' اگلے ہی دن ان کا مقصد سامنے آ گیا۔'' میں نے چھاکے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''یار جس طرح پولیس والوں کے بارے میں مشہور ہے نا کہ ان کی دوستی بھی بری اور ان کی دشمنی بھی بری۔ اس طرح ان جاگیرداروں' وڈیروں اور سیاست والوں کی دوستی دشمنی دونوں ہی بری ہیں۔ یہ انسان کھا جاتے ہیں۔ ووٹوں کی سیاست کرتے کرتے یہ انسانوں کی قسمت سے کھیلنے لگتے ہیں۔ کیا تجھے نہیں پتا۔'' اس نے کافی حد تک جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ تب میں نے اسے تھوڑا ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا۔

''چل یار غلطی ہو گئی۔ معاف کر دے۔ اب بتا باقی کدھر ہیں۔ آئے نہیں۔'' میں نے اس سے دوستوں کے بارے پوچھا۔

''اب نہیں آئیں گے وہ۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے اپنے گھروں کو گئے ہیں۔ تب بھی باری باری کئی چکر تیرے گھر کے لگا چکے ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر تکیہ اپنی رانوں میں دبا کر بولا۔ ''جمال...... ! غور کیا ہے تو نے' وہ جیپ لے کر آنے والے بندے کون تھے؟''

''مجھے تو سردار شاہ دین پر شک ہے۔ اس نے باہر سے بلوا کر یہ بندے' مجھے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ میں ان کی بات مان لوں اور شاہ زیب کے ساتھ اس کا باڈی گارڈ بن کر لاہور چلا جاؤں۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میرا دل نہیں مانتا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر مجھے خاموش پا کر وہ کہتا چلا گیا۔ ''میں یہ مانتا ہوں کہ سردار شاہ دین ایک منافق سیاست دان ہے۔ اس سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ گھٹیا سے گھٹیا کام بھی کر سکتا ہے لیکن اپنی ہی جُوہ میں اور کم از کم تیرے ساتھ ایسی دشمنی نہیں کر سکتا۔''

''کیوں ایسا نہیں کر سکتا؟ وہ سیاست دان ہی نہیں ہوتا جو اپنے مخالفین کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے۔ اس نے میری صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی ناکامی پر سوچا ہوگا کہ یہ کسی دن اس کے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہیں۔ سو اس نے فوراً ہی ......''

''تم غلط ٹریک پر سوچ رہے ہو...... تمہاری بندے پرکھنے کی صلاحیت کدھر گئی یار' کیا تم نہیں جانتے ہو کہ سردار شاہ دین اس وقت تک مخالف کو کچھ نہیں کہتا' جب تک وہ اسے نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو جائے' اس کی یہ خوبی ہے' جسے ماننا چاہیے' آج نہیں تو کل' آنے والا وقت بتا دے گا کہ یہ حملہ شاہ دین نے نہیں کروایا۔'' اس نے تیزی سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ تب میں نے تجسس سے پوچھا۔

''تو پھر اور کون ہو سکتا ہے؟''

''سوچ......! اور جتنا چاہے سوچ لے' اس حملے کے پیچھے نہ سردار شاہ دین ہے اور نہ ہی پیرزادے ہیں' تیسرا اگر کوئی ہے تو اس کا سرا پتا میلے کے اس پنڈال میں ہے چونکہ یہ سب میرے دھیان میں نہیں تھا۔ اس لیے میں بھی تمہاری طرح اندھیرے میں ہوں۔ تو سوچ اور وہ سرا تلاش کر...... پھر اس تیسرے تک پہنچ جانا مشکل نہیں ہوگا۔'' چھاکے نے گہری سنجیدگی سے کہا تو میں چونک گیا۔ اس کی بات سو فیصد درست تھی۔ میرے دل کو لگی تھی۔ پہلے میرا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ ایک دم سے وہ میلہ' اس میں سجا ہوا پنڈال میری نگاہوں کے سامنے واضح ہو گیا۔ چند لمحے غور کرتے رہنے کے باوجود مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تب میں نے الجھتے ہوئے کہا۔

''یار' مجھے نہیں لگتا کہ وہاں کچھ ہو۔ یہ جو ہنگامہ وہاں پر ہوا ہے اس میں کسی کی کیا منصوبہ بندی تھی۔ شاہ زیب اگر اپنا لاؤ لشکر بنا کر لے گیا تھا تو یہ کون سا نئی یا انوکھی بات تھی۔ ہر سال ایسے ہی ہوتا ہے۔ اس بار اس نے مجھے دعوت دی اور......''

''اور تیری وجہ ہی سے وہ وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ وہاں سے کب نکلا' زخمی کون اٹھا کر لایا' تجھے تو یہ تک معلوم نہیں کہ بندے کتنے زخمی ہوئے ہیں۔'' اس نے بھڑکتے ہوئے کہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''خیر......! میں نہیں کہتا کہ تو ابھی اپنے دماغ پر بوجھ ڈال' سکون سے' تنہائی میں بیٹھ کر ایسے کسی تیسرے کے بارے میں سوچ۔ یہ ہنگامہ وہاں سے شروع ہوا ہے تو ان حملہ آوروں کا سراغ بھی تجھے وہیں سے ملے گا۔'' چھاکے نے مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا پھر بات بدل کر وہ تھانے میں ہونے والے واقعہ کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا' ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ کرم علی ڈسپنسر آ گیا۔ اس نے میری طبیعت پوچھی۔ میں نے اسے بتایا تو بولا۔

''ابھی تیرے صرف ایک انجکشن مزید لگنا ہے۔ دوائی کھا کر وہ انجکشن لگوا لے۔ صبح تک تو بہت بہتر ہو جائے گا۔ باقی یہ اندرونی چوٹیں ہیں۔ پوری طرح ٹھیک ہونے میں چند دن تو لگیں گے۔''

''چل پھر لگا دے انجکشن، دوائی میں کھا چکا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

''اندر چل' وہاں لگاتا ہوں۔ انجکشن لگنے کے بعد تجھے نیند آ جائے گی۔''

''تو بے فکر ہو جا' میں ادھر ہی ہوں۔ دروازے لگا کر چھت پر سو جاؤں گا۔ تو جا اندر۔'' چھاکے نے کہا تو میں اٹھ کر اندر چلا گیا۔ میں واقعتاً بے فکر ہو گیا تھا۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ چھت پر سوئے گا نہیں بلکہ پوری رات جاگ کر پہرا دے گا۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ حسب معمول اماں جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ گاؤں میں صبح سویرے ہونے والی روایتی معمولات کی دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں اٹھ کر صحن ہی میں ٹہلنے لگا۔ تبھی اماں جائے نماز پر سے اٹھ گئیں۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ذرا سی دیر میں ماں نے لسی کا گلاس مجھے تھمایا اور بولیں۔

''چل اٹھ کر نہا لے' میں تیرے کپڑے نکال دیتی ہوں تازہ دم ہو کر ناشتہ کرنا۔''

''چھاکا......؟'' میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے گھر چلا گیا ہے۔'' ماں نے کہا اور کچن کی طرف پلٹ گئیں۔ میں نے سکون سے لسی پی اور تازہ دم ہونے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

اس وقت میں تیار ہو کر ناشتے کے انتظار میں تھا جب پھاٹک کے باہر بھاری جیپ رکی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ٹرک رکنے کی آواز آئی۔ میں چونک گیا۔ یہ کون ہو سکتے ہیں؟ میں نے سرہانے پڑا اپنا پسٹل ٹٹولا اور اسے نیفے میں اُڑس لیا۔ پھر اٹھ کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ ابھی میں پھاٹک سے چند قدم کی دوری پر تھا کہ پھاٹک کھلا اور سوہنی اندر آ گئی۔ میں اسے پہلی نگاہ میں پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ اس کے تھکے تھکے حسین چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے کسی سنسان معبد میں لوبان سلگ رہا ہو۔ اس نے زلفوں کو کس کر باندھا ہوا تھا۔ پتلون پر ڈھیلا ڈھالا چیک دار کرتا' پاؤں میں نازک سے لیدر سلیپر' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' اور میری جانب دلچسپی سے دیکھتی ہوئی گہری آنکھیں۔

''تم.....؟'' میں نے کافی حد تک حیرت سے پوچھا۔

''کیوں' میں نہیں آ سکتی کیا؟ خیر.....! یہ بحث بعد میں کر لینا' لیکن میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں' انہیں باہر والے کمرے میں بٹھاؤ۔''

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک اور جواں سال لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کی مجھ پر نگاہ پڑی اور پھر دلچسپی سے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے ہاتھوں میں کافی سارے شاپنگ بیگ پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے تعارف کی زحمت نہیں کی۔ کیونکہ اس وقت میرا ایک دوست طیفا نمودار ہوا۔ وہ پھاٹک میں کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے باہر والا کمرہ کھولنے کو کہا۔ وہ ادھر چلا گیا تھا تو میں دالان میں آ گیا۔ وہاں سوہنی اماں سے مخاطب تھی۔

''اماں' آپ بس ادھر میرے پاس بیٹھیں۔ یہ فری ہے نا' سب کچھ بنا لے گی' آپ فکر نہیں کرو۔''

''اسے کیا پتا کون سی چیز کہاں رکھی ہے؟'' ماں نے کہا لیکن اس دوران فری کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

''وہ دیکھ لے گی.....! آپ میرے پاس بیٹھو۔'' اس نے اماں کو کاندھوں سے پکڑا اور اپنے قریب چارپائی پر بٹھا کر خود بھی بیٹھ گئی۔ تبھی میں نے اس سے بڑے تحمل سے پوچھا۔

''یہ تم..... یہاں واپس کیوں آئی ہو؟''

''میں پھر یہی کہوں گی کہ کیوں' میں نہیں آ سکتی ہوں کیا؟'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آ تو سکتی ہو' مگر اس قدر جلدی پلٹ آنے میں کوئی نہ کوئی بات تو ہو گی۔ میرے خیال میں تو ابھی تک تیری تھکن بھی نہیں اتری ہو گی۔''

''یہ سچ ہے کہ ابھی تک میری تھکن نہیں اتری' مگر میں آ گئی۔ میں کیوں آئی ہوں۔ یہ بھی میں تمہیں بتا دوں گی لیکن پہلے تم دو کام کرو' ایک تو یہ کہ گاؤں سے چند مزدور منگواؤ' جو ٹرک میں سے سامان اتار کر یہاں رکھیں۔ دوسرا ان لوگوں کو ناشتہ واشتہ کروا کر فارغ کرو' پھر سہولت سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے تیز تیز انداز میں کہا تو میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہ ڈرامہ کیا کر رہی ہے تم......سیدھی بات بتا' اور یہ ٹرک میں سے سامان اتارنے والی وجہ کیا ہے؟ کس کا سامان ہے یہ...... یہاں کیوں لائی ہو تم؟''

''او سرکار! اتنا غصہ کیوں ہوتے ہو۔ میں یہ سامان اپنی ماں کے لیے تحفے کے طور پر لائی ہوں۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تم مزدور نہیں لا سکتے تو نہ سہی' میں خود ڈھونڈ لاؤں گی اور میں تمہیں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے کسی گاڑی میں اڈے تک چھوڑ آؤ' میں اپنی گاڑی میں آئی ہوں اور میرا ڈرائیور میرے ساتھ ہے۔ دوپہر ہونے سے پہلے میں واپس پلٹ جاؤں گی۔ اب کوئی ہے تمہیں اعتراض؟'' تبھی مجھے ایک دم سے ہی اس پر غصہ آ گیا۔ اس نے ہمیں سمجھا کیا ہے؟ میں نے بھنا کر کہا۔

''اوئے......اوئے سوہنی......تمہیں ہمارے گھر میں کسی شے کی کمی نظر آتی ہے' ہم سادہ زندگی گزارنے والے لوگ ہیں' پھر بھی اس گھر میں ہر سہولت میسر ہے۔ اور پھر تیرے تحفے ہم کیوں قبول کریں۔ لے جاؤ' واپس لے جاؤ اپنا یہ ٹرک' ہمیں تیرے تحفوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہیں ضرورت ہے یا نہیں' میں نہیں جانتی' کیونکہ میں تیرے لیے نہیں' ایک ماں کے لیے لے کر آئی ہوں اور تم مجھے اس سے نہیں روک سکتے۔ اگر اب بھی تمہیں اعتراض ہے تو میں سامان گلی میں اُتروا دوں گی۔ تم اسے آگ لگا دینا' اگر تم میں ہمت ہوئی تو......'' اس بار وہ غصے میں بولی تھی' تبھی میری نگاہ چھاکے پر پڑی جو نجانے کب سے صحن میں کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسے میں اماں نے کہا۔

''جمال......! تیری اس کے ساتھ کیا بحث ہے' تو جا اندر کمرے میں جا کر آرام کر' میں تیرا ناشتہ ادھر ہی بھجوا دیتی ہوں۔'' پھر چھاکے کی طرف دیکھ کر بولی۔''اوئے چھاکے' لے جا اسے اندر۔'' ماں کے یوں کہنے پر میں اٹھا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔ میں حیران ہونے سے زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔ میں بیڈ پر لیٹا یہی سوچ رہا تھا کہ یہ سوہنی آخر کر کیا رہی ہے اور یہ چاہتی کیا ہے؟ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دبے قدموں سے اندر کمرے میں آ گئی' چند لمحے مجھے دیکھتی رہی' پھر بلاتکلف میرے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میں نیم دراز ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''دیکھ جمال......! یوں غصہ نہ کر' میں شاید پلٹ کر کبھی یہاں نہ آتی' لیکن مجھے آنا پڑا' اسے میری مجبوری سمجھ لیں یا پھر...... جو تیرا دل چاہے۔ اگر تم مجھ سے نفرت کرتے ہو' یا پھر تمہارے خیال میں ہم کوئی گھٹیا مخلوق ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس سے بالکل انکار نہیں ہے کہ میں طوائف ہوں۔ میرا وجود ہی اس سماج میں ایک گالی ہے۔ تم بھی اگر مجھ سے نفرت کرو گے تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم طوائف ہو یا نہیں' مگر جو تو ڈرامے بازی کر رہی ہے نا اس کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ یہ تم کر کیا رہی ہو' وہ کون سی مجبوری ہے جو تمہیں یہاں لے آئی ہے؟''

''یہی تو میں تمہیں بتانے کے لیے آئی ہوں' یہاں اتنا سفر کر کے تھکن اتارے بغیر۔'' اس نے میرے چہرے پر دیکھا اور پھر میرا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بڑے اعتماد بھرے لہجے میں بولی۔''تم اب بھی پریشان ہو نا کہ جیپ پر آنے والے وہ حملہ آور کون تھے۔ تم اب بھی الجھے ہوئے ہو کہ اس کے پیچھے کون ہے' پیرزادہ ہے یا شاہ زیب......؟ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ دونوں ہی نہیں ہیں۔''

''تو پھر کون ہے وہ......؟'' میں نے تیزی سے بیڈ کی ٹیک چھوڑتے ہوئے پوچھا' حالانکہ اس دوران میرے بدن سے کئی جگہوں پر ٹیسیں اٹھی تھیں۔

''وہ جو کوئی بھی ہے' تم اسے چھوڑو' اس وقت اگر وہ اندھیرے میں ہے تو اسے اندھیرے ہی میں رہنے دو۔ حملہ آور بھی اس کی طرف سے تھے اور پولیس بھی اس نے بھیجی تھی۔''

سوہنی نے کہا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ان دیکھا وار کرنے والا دشمن اندھیرے میں تھا اور یہ اسے اب بھی اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتی تھی۔ دشمن کا ساتھ دینے والا بھی دشمن ہوتا ہے اور وہ منافق جو سازش کر کے خود اندھیرے میں رہنے کی کوشش کرے' اس کے باپ پر تو ویسے ہی شک ہوتا ہے' کیا یہ مجھے بے وقوف بنانے کے لیے آئی ہے؟ میرے دماغ میں غصے کی آگ بھری لہر اٹھی۔ اور میں نے زناٹے سے ایک تھپڑ سوہنی کے چہرے پر ماردیا۔ وہ الٹ کر بیڈ سے نیچے جا گری۔ لمحوں میں اپنا پسٹل نکالا اور اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ تبھی سوہنی کی آنکھوں میں وحشت پھیل گئی۔ وہ موت کو اپنے سامنے دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی۔ خوف کے عالم میں اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ وہ زمین پر گری پڑی تھی' میں نے بیڈ پر بیٹھے ہوئے ہی ایک پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور پسٹل کی نال اس کے سر پر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

''بولو...... کون ہے وہ...... ملک سجاد ہے؟''

''آں...... آں...... ہاں...... وہ...... ہی ہے...... میں تجھے بتاتی ہوں نا......'' اس نے گھگھیائے انداز میں کہا' لیکن میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اس سے پوری بات معلوم کرنا تھی' لیکن اسی لمحے اماں اندر داخل ہوئی اور تیزی سے بولیں۔

''جمال...... یہ کیا کر رہے ہو تم...... چھوڑو اسے...... پاگل ہوگئے ہو۔''

اس حکم کے سامنے میں بے بس تھا' میں نے نال اور پاؤں ہٹایا اور بیڈ پر سیدھا ہوگیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور میرے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ پھر مرتعش لہجے میں بولی۔

''میں تجھے سب کچھ بتا دیتی لیکن ذرا صبر تو کرتے...... تم......''

''تم ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا دو' خیریت اسی میں ہے......'' میں نے تیزی سے کہا۔

''لیکن تم وعدہ کرو کہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرو گے' ورنہ تمہارا غصہ تمہیں بہت نقصان پہنچا دے گا۔'' اس نے کافی حد تک اعتماد سے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''اب تم بکواس کرو گی یا نہیں۔''

''میں ساری بات تمہیں بتا دیتی ہوں......'' یہ کہہ کر اس نے اماں کی طرف دیکھا اور خجالت بھرے انداز میں بولی۔ ''اماں......! اس سے وعدہ لو کہ یہ جو کچھ بھی کرے گا' سوچ سمجھ کر کرے گا' وہ لوگ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔''

''سوہنی پتر! جو یہ پوچھتا ہے وہ ساری بات اسے بتا دے' یہ نہیں میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ یہ ایسا ویسا کچھ نہیں کرے گا۔''

''ٹھیک ہے۔''اس نے سر ہلایا اور پھر مجھ سے ذرا سا فاصلہ چھوڑ کر بیٹھ گئی' چند لمحے خاموش رہی پھر' میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

''ملک سجاد کے بارے میں تم جانتے ہی ہو' جو وفاقی وزیر ہے۔''

''ہاں.....نام سنا ہے اس کا.....''میں نے کہا۔تبھی اماں کافی حد تک مطمئن ہو کر باہر چلی گئی۔

''تم نے فقط نام سنا ہے' اسے جانتے نہیں ہو' خیر.....! میں جو یہاں آئی ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ تمہیں سب سچ بتا دوں۔ اسے بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی تھی۔ میں.....میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں.....''یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر کہتی چلی گئی۔''ملک سجاد' خوشاب کے علاقے کا بہت بڑا زمیندار ہے' ایم این اے کی سیٹ ان کی خاندانی سیٹ ہے۔ظاہر ہے ایسے لوگ بڑے بڑے بدمعاش' قاتل' اشتہاری اور نجانے کیسے کیسے مجرم اپنی پناہ میں رکھتے ہیں۔انہی کے ذریعے علاقے پر اپنی دھاک جما کر رکھتے ہیں لیکن وہ جو بھی ہے' میرا عاشق ہے' مجھ پر جان دیتا ہے' میری ماں نے مجھے اس کے ہاتھ بیچ دیا ہے' لیکن ابھی اس نے میری نتھ نہیں کھولی' بھاری رقم کے علاوہ' ایک کوٹھی اور کار مجھے دی ہوئی ہے' پر وہ مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا' میرے پاس ہوتا ہے تو مجھے ابکائی آتی ہے' میں اس سے جان چھڑانا چاہتی ہوں' اس لیے اسے قریب نہیں لگنے دیتی' ماں سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ اسے سب کچھ واپس کر دے۔''

''تم اس کے قصیدے ہی پڑھتی رہو گی یا بات بھی بتاؤ گی۔''میں نے اکتاتے ہوئے کہا۔

''میں وہی کہہ رہی ہوں کہ جب میرے خاندان کی لڑکیاں' یہاں آ کر ناچنے کو تیار ہو رہی تھیں تو میں نے یہاں آنے کا ارادہ کر لیا.....ملک سجاد کو یہ بات بہت ناگوار گزری' وہ قطعاً نہیں چاہتا تھا کہ میں یہاں پر آؤں' مگر میں نے ضد کی اور باوجود اس کے روکنے کے میں آ گئی۔اس نے میرے پیچھے بندے بھیج دیئے کہ مجھے اٹھا کر لے جائیں' اب یقیناً ان کا داؤ نہیں چلا' یا پھر ان کی ہمت نہیں پڑی' وہ مجھے اغواء تو نہ کر سکے' مگر جب پنڈال میں تم لوگوں کی لڑائی ہو گئی' فائرنگ ہوئی تو ہم وہاں سے نکلیں۔قدرتی طور پر انہیں موقع مل گیا' وہ مجھے گھیرے ہوئے ایک طرف لے گئے' چونکہ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ ملک سجاد کے بندے ہیں' میں تو انہیں مقامی لوگ ہی سمجھ رہی تھی۔ایک نے مجھے بازو سے پکڑ بھی لیا تھا اور ایک طرف لے جانے کی کوشش بھی کرنے لگا تھا' میں نے تو یہی خیال کیا کہ وہ مجھے مال غنیمت سمجھ کر لے جانا چاہتا ہے' اس لیے میں نے اپنا بازو چھڑایا' اندھا دھند بھاگتے ہوئے فصلوں میں جا چھپی' اور پھر تم مجھے مل گئے' اصل غلط فہمی یہیں سے ہوئی۔''

''مطلب.....میں سمجھا نہیں۔''میں نے تیزی سے پوچھا۔

''میں سمجھاؤں گی تو تم سمجھو گے۔''یہ کہہ کر وہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر بولی۔''وہ ساری رات مجھے تلاش کرتے رہے تھے لیکن میں نہ ملی' اور پھر دوپہر تک انہوں نے کھوج لگا لیا کہ میں کہاں پر ہوں اس میں انہوں نے پولیس کی مدد بھی لی تھی' اور تیرے علاقے کے کچھ پولیس کے مخبر بھی ہیں' جو اس معلومات کا سبب بنے ہیں۔اصل کام ہے ان کو تلاش کرنا' جو گھر کے بھیدی ہیں' اور تیرے مخالف.....''

''تو اپنی بات مکمل کر سوہنی' میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔''میں نے پھر اکتائے ہوئے کہا۔

''وہ جیپ والے حملہ آور ملک سجاد ہی کے تھے۔ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا سامنا ماہر نشانہ باز سے ہو گا۔وہ مار کھا گئے'

جس پر ملک نے پولیس کو پوری طرح استعمال کیا اور وہ تجھے پکڑ کر لے گئے۔ میں جو وہاں لاہور پہنچی ہوں تو مجھے ساری تفصیلات کا پتا چلا' میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ......''

''بس تیرا کام ختم ہوگیا۔ اب تو ناشتہ واشتہ کرا اور واپس چلی جا......'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ میرے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''دیکھ جمال......! جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ایک بار تو اپنے غصے کو پی جا' اور مجھ پر احسان کردے' بھول جا اس واقعے کو...... میں بہت شرمندہ ہوں...... تیرا مجھ سے وعدہ رہا' میں اس سے بدلہ ضرور لوں گی اور تجھے بتا کر لوں گی بدلہ......''

''میں پاگل نہیں ہوں کہ اس پر چڑھ دوڑوں گا۔ میں مان لیتا ہوں تیری بات...... لیکن وعدہ کر' میں جو کچھ بھی کروں گا...... تم میری مدد کروگی......'' میں نے ایک خیال کے تحت اس سے کہا تو وہ خاصی حد تک مطمئن ہوگئی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد فرزی ناشتہ لے کر آگئی۔ اس نے کافی کچھ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں سوچتے ہوئے ناشتہ کرنے لگا۔

ناشتہ کرنے کے کچھ دیر بعد میں صحن میں گیا تو مزدور سامان اتار کر صحن میں رکھ رہے تھے۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ میرے خاموش ہوجانے کی قیمت ادا کررہی ہے۔ تبھی میں نے جا کر سوہنی سے پوچھا۔

''یہ سارا سامان کتنے کا آیا۔ یہ صوفے' یہ فریج...... یہ دوسرا سارا الیکٹرونکس کا سامان......''

''میں نے جمع نہیں کیا' بس جلدی جلدی میں لے لیا......'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی...... اندازہ تو ہوگا......'' میں نے پوچھا تو اس نے چھ ہندسوں میں اندازے سے رقم بتائی۔ میں نے خاموشی سے سنی اور پھر اوپر چھت پر موجود کمرے میں چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے اتنی رقم نکالی' پھر کچھ زائد رقم نکال کر نیچے آگیا' فرزی اور سوہنی اماں کے پاس ہی صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں' میں نے وہ رقم لے کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''یہ لو رقم...... اور دوسری بات نہیں کرنی' جب سامان اتر جائے تو اپنے ساتھ لائے لوگوں کو لے کر فوراً چلی جانا' میں کچھ دیر بعد واپس آؤں تو تم یہاں پر نہیں ہونا......''

''جمال...... یہ تم......'' اس نے تیزی سے کہنا چاہا تو میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''خاموش...... کہا نا دوسری بات نہیں کرنا۔'' یہ کہہ کر میں نے زائد رقم اماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اس لڑکی کو دے دینا' جو اس کے ساتھ آئی ہے۔ خالی ہاتھ جائے' اچھا نہیں لگتا۔'' میں نے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔

باہر والے کمرے میں چھاکا کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی اس سے بائیک نکال لانے کو کہا' وہ اندر جا کر بائیک نکال لایا تو میں نے ڈیرے پر چلنے کو کہا۔ ہم اپنی گلی سے نکل کر ڈیرے کی جانب چل دیئے۔ میرا دماغ جب بھی سوہنی اور ملک سجاد کے بارے میں سوچتا' گرم ہوجاتا' ایک طوائف کا کیا بھروسہ' وہ شاید اس وقت میرے گھر میں بیٹھی ملک سجاد ہی کی وکالت کررہی ہو' کھیل اپنے رکھنے والے ہی کی سلامتی چاہے گی' میں یہی سوچتا رہا اور چھاکا ڈیرے پر لے گیا۔ وہاں جا کر میں نے اطمینان سے ساری بات اسے بتادی' وہ ساری بات سن لینے کے

بعد کافی دیر تک سوچتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

’’جمال...... یہ تو یچ ہے کہ معاملہ کو ٹھنڈا کر کے ہی دیکھا جائے‘ لیکن پہلے مخبروں کی خبر لیں، باقی بعد میں دیکھیں گے۔‘‘ اس نے کہا تو مجھے کافی حد تک پرسکون ہو گیا۔ میں بھی اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح کی طلائی کرنیں اپنا آپ زمین پر نچھاور کر رہی تھیں۔ جسپال سنگھ کوٹھی کی چھت پر کھڑا دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اوائل فروری کے دنوں میں گندم کی فصل سے زمین سبز دکھائی دے رہی تھی۔ کہیں کہیں کوئی دوسری فصل اپنے گہری یا کم گہری رنگت کے باعث الگ سے نظر آ رہی تھی۔ مشرق میں دور تک کھیت ہی تھے جبکہ مغرب کی جانب اُوگی گاؤں تھا جو بہت زیادہ پھیلا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھ اس وقت کھل گئی تھی‘ جب سورج نہیں نکلا تھا۔ وہ بستر میں پڑا نہ رہ سکا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور چھت پر چلا آیا۔ اسے پنجاب کی یہ کھلی ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اگرچہ بہت ساری سوچیں اس کے دماغ میں آ رہی تھیں‘ مگر وہ کچھ وقت کے لیے اس منظر میں کھو جانا چاہتا تھا۔ یہ منظر اس نے صرف فلموں میں یا پھر تصویروں میں دیکھے تھے۔ مگر سوچ پر قابو کون رکھ سکا ہے؟ خیالوں پر گرفت نہیں ہو سکتی‘ یہی وہ عطیہ ہے جس سے انسان خود کو قوت کے ساتھ آگے ہی آگے دھکیل رہا ہے۔ خیال ہی زندگی میں رنگینیاں پیدا کیے ہوئے ہیں۔ وہ ان منظروں میں کھویا ہوا تھا مگر لاشعوری طور پر سوچتا چلا جا رہا تھا کہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کے لیے حیرت ہی کے در وا ہوئے تھے۔ ایک ہی دن میں انکشاف در انکشاف نے اسے پوری جان سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر اس کے ساتھ ایسا بھی ہوگا‘ یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب گولڈن ٹیمپل میں تو وہ ماتھا ٹیکنے گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جو کچھ اس نے آج تک وہاں کے بارے میں سنا ہے تصویروں یا فلموں میں دیکھا ہے‘ وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے گا‘ لیکن......! اس کے ساتھ ہوا کیا؟ وہاں پر جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا‘ وہ خود ہی جانتا تھا۔ اس کی وضاحت وہ کسی سے کر نہیں سکتا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ پھر سے اپنی کیفیت کو محسوس کرنے لگا تھا۔ انہی لحات میں اس کے اندر سے یہ سوال ابھرا کہ آیا وہ اپنی ان کیفیات کے بارے میں کسی کو بتائے یا نہیں؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ہاں مگر وہ یہ ضرور سمجھ رہا تھا کہ اسے ’’اشارہ‘‘ ہوا ہے‘ اس نے یہاں پر کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ ایک طرح سے اسے اپنے خیالوں‘ خواہشوں اور امیدوں کی تائید مل گئی تھی۔ اس کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ تھا کہ جس طرح اس نے اپنا مقصد چھپا کر رکھا ہے‘ اس ’’اشارے‘‘ کو بھی اپنے تک رکھے اور اگر واہ گرو نے چاہا تو خود ہی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی‘ جس میں اس راز کو افشا کرنا ضروری ہوگا۔

اور پھر جیسے ہی وہ گاؤں میں داخل ہوا تو انوجیت کے بارے میں انکشاف ہو گیا۔ وہ اس کے اتنا قریب بھی ہو سکتا ہے‘ جب تک وہ اس گاؤں میں نہیں پہنچا تھا‘ اسے گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنے قریب لوگوں کے ہاں جا رہا ہے۔ اس کی ملاقات ایسی ہستی سے بھی ہو جائے گی جس کے باعث اسے نئی زندگی ملی تھی۔ اگر اس رات کلجیت کور اپنے گھر سے نکل کر ان کی حویلی کی طرف نہ جاتی تب وہ بھی دوسرے سب کے ساتھ آگ میں جل گیا ہوتا۔ اگرچہ زندگی دینے اور لینے والا وہی مالک ہے جس نے پیدا کیا۔ تاہم اس دنیا میں اس رب نے اپنے بندوں ہی کے ذریعے سب کچھ کرواتا ہوتا ہے۔ پھوپھو سکھ جیت نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ بھارت آئے لیکن وہ آ گیا۔ انوجیت کے بارے میں وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ اس

نے انوجیت کو دوست بنا کر رکھا ہوا ہے حالانکہ انہوں نے خود اسے تلاش کر کے اس کے ساتھ نیٹ دوستی رکھی ہوئی تھی۔ اپنے شیر خوارگی کے دور سے لے کر اب تک پر اگر وہ سوچے تو اس میں سے کیا نکلتا ہے کہ وہ دائرے کا پابند ہے اور پھر سے وہیں پر آن کھڑا ہوا ہے جہاں سے وہ اٹھائیس برس پہلے چلا تھا۔ اب اس کے پاس کیا تھا' آگ کے سوا اس کے من میں کچھ نہیں تھا۔ انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ' لیکن وہ لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے' جن سے اس نے بدلہ لینا تھا۔ یہ سب کیسے ہوگا؟ یہی سوال اس کے لیے سب سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے اسے ان لوگوں کو تلاش کرنا تھا۔ ان کے بارے میں معلومات ہی سے وہ آگے بڑھ سکتا تھا' اس کا آغاز کہاں سے کرے؟ کیا انوجیت اس قدر بھروسے مند ہو سکتا ہے؟ کیا اس میں اتنا حوصلہ اور جرات ہوتی کہ وہ اس پر اعتماد کر کے سب کچھ بتا دے؟ کیا وہ اس کا بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہے؟ کیا وہ......''

''آپ ادھر ہیں میں اُدھر کمرے میں دیکھ رہی تھی آپ کو......؟'' ہرپریت کور کی آواز نے اسے خیالوں سے باہر لا پھینکا۔ تبھی اس نے گھوم کر دیکھا۔ سفید لباس میں' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' کھلی زلفوں کے ساتھ وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے تھی۔ چونکہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھی اس لیے ہلکے ہلکے لرزتے وجود سے وہ اپنی تیز سانسوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ معصوم سا حسن سیدھا اس کے دل میں اترتا چلا گیا تھا۔ تبھی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی یہ منظر دیکھنے یہاں چھت پر آ گیا تھا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں' میں پہلی بار یہ نظارے دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ شوخی سے بولی۔

''ویسے میرے لیے بڑی عجیب سی بات ہے کہ ان کھیتوں کے نظارے آپ کو اتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ ظاہر ہے ہم نے تو ہوش سنبھالتے ہی انہیں دیکھا' مگر آپ نے نہیں۔''

''یہ تو فطری سی بات ہے نا ہرپریت......! جس کے پاس جو چیز جتنی زیادہ ہوتی ہے وہ اس کے لیے اتنی ہی بے اہمیت ہوتی ہے۔'' جسپال نے عام سے انداز میں کہا تو پھر وہ اسی شوخی ہی سے بولی۔

''لیکن سب چیزوں کے بارے میں ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً دولت...... زیادہ تر لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ان کے پاس زیادہ ہو اور اس کی اہمیت بھی بہت ہوتی ہے۔ کسی کا پیار...... جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اچھا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' اس نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا' آپ ناشتہ کر لیں آ کر...... اور اگر آپ کو یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے تو میں ناشتہ یہاں لے کر......''

''نہیں' اتنا سب کچھ یہاں لاؤ گی۔ چلتے ہیں۔'' اس نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''چلیں پھر آئیں۔'' یہ کہتے ہی وہ الٹے قدموں پلٹ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ وہ اس کے آگے آگے سیڑھیاں اتر رہی تھی' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا' اسے وہ ہرنی کے جیسے لگی۔ پتلی سی کمر' لچکتی ہوئی' بل کھاتی ہوئی وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ وہ یونہی آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائننگ ٹیبل پر جا پہنچے' جہاں کلجیت کور پہلے ہی سے ان کا انتظار کر رہی تھی۔

''آ پتر...... بیٹھ ناشتہ کر۔''

''اُو......! یہ تو آپ نے اتنا اہتمام کر لیا۔'' جسپال نے بھری ہوئی میز پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ سب ہرپریت نے کیا ہے۔'' کلجیت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'میں نے سوچا' پتا نہیں دیسی ناشتہ پسند کرے کہ نہ کرے...... اس لیے ولائتی بھی بنا دیا۔ اب جو دل کرے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو جسپال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو......! ادھر وینکورو میں پھوپھو سکھ جیت زیادہ تر یہی دیسی ناشتہ کرواتی تھی اور جس دن چھٹی ہوتی تھی تو دیسی کھانے پکاتے رہتے اور کھاتے رہتے۔''

''ہاں دل کی بڑی اچھی تھی سکھ جیت' میرے تو ساری زندگی وہ کام آئی ہے۔ اب یہی دیکھ لو' جو ہم اتنے سکون سے رہ رہے ہیں۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہے۔ اس نے......''

''پھوپھو' یہ انوجیت کہاں ہے' ابھی تک اٹھا نہیں۔'' جسپال نے واضح طور پر کلجیت کور کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہی۔ سمجھ گئی کہ وہ اس کی یہ بات سننا نہیں چاہتا' پھر بولی۔

''اٹھ تو وہ کافی دیر پہلے سے گیا ہی' وہ کسرت کرتا ہے' ابھی تیار ہو کر آتا ہی ہوگا' جا' بلا لا ویر کو۔''

''جی' بے بے......'' ہرپریت نے کہا اور انوجیت کو بلانے چل دی۔

ناشتہ بہت خوشگوار ماحول میں کیا گیا۔ انوجیت کافی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے چائے ختم کی اور دونوں اٹھ کر باہر لان میں آ گئے۔ دھوپ خاصی چڑھ آئی تھی۔ مگر اچھی لگ نہیں رہی تھی۔ اس لیے وہ کرسیاں اٹھا کر پورچ کے ساتھ والان میں آ بیٹھے۔ اتنے میں ہرپریت بھی ان کے پیچھے ہی آ گئی۔ وہ بھی کرسی اٹھا کر انہی کے پاس آ بیٹھی۔ تبھی انوجیت نے پوچھا۔

''اچھا یہ بتا جسپال! جتنے تمہارے پاس دن ہیں' ان کا بہترین استعمال کرنے کے لیے تو کیا کرنا چاہتا ہے' کچھ تو پلان ہوگا تیرے ذہن میں' یا پھر......'' اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تب وہ خاموش رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔ کچھ دیر پہلے وہ چھت پر انوجیت کے بارے میں سوچ رہا تھا' اس کے بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ اس نے تو بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ اب وہ سب تو انوجیت کو نہیں بتا سکتا تھا۔ اسے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا کہ ہرپریت بولی۔

''جسپال......! آپ سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو ہمیں بتاؤ' ہم پلان کر لیتے ہیں' آپ بولو تو سہی۔''

تبھی اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند لپکا تو وہ بولا۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں سب سے پہلے اپنی حویلی کو ٹھیک کروں' اسے پہلے کی مانند بالکل نئی بنا دوں...... لیکن......؟'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر چند ثانئے بعد بولا' ''لیکن یہ میرے ویر' کیا اس حویلی پر میں قانونی طور پر کوئی حق رکھتا ہوں؟ اور اگر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا تو پھر میں کس

طرح ثابت کرسکتا ہوں کہ وہ حویلی اس وقت میری ملکیت ہے۔ میرے پرکھوں کی جائیداد ہے اور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ اب تک اس حالت میں کیوں ہے؟ اسے آپ لوگوں نے ٹھیک کیوں نہیں کروایا؟ یہاں نئی کوٹھی بنانے کی بجائے وہاں کیوں نہیں رہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گیا۔ انوجیت بڑے سکون سے سنتا گیا پھر اسی سکون سے بولا۔

''کون کہتا ہے کہ تم قانونی طور پر اس حویلی کے وارث نہیں ہو......؟''

''کل جب تھانے میں بات ہوئی......'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ انوجیت اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''وہ غلط کہتا تھا' کیونکہ وہ بندہ ہی ٹھیک نہیں تھا' اور پھر تمہاری اطلاع کے لیے بتادوں کہ رات کسی نے اسے گولی ماردی ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

''مطلب' ماردیا...... قتل ہوگیا وہ...... تجھے کیسے پتا......'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں بھائی ماردیا...... وہ تھا ہی اس قابل......'' انوجیت نے سکون سے کہا۔

''کیوں......'' وہ پھر حیرت سے بولا۔

''میں تمہاری اس کیوں کا جواب دوں گا' لیکن فی الحال ہم وہ باتیں کرلیں جو تم نے کہیں ہیں۔'' وہ بولا۔

''اچھا کہو......'' جسپال نے کہا۔

''جب تم پیدا ہوئے تھے تو تمہارا اندراج یہاں ہوگیا تھا۔ وہی پرانا انگریزوں والا نظام' چوکیدار کے رجسٹر میں تمہارا نام ہے جو تحصیل میں بھی درج ہے۔ تمہاری پھوپھو سکھ جیت کے شوہر' یعنی تمہارے پھوپھا نے وہ کاغذ بنوائے تھے جو بعد میں بے بے کو دے دیئے تھے۔ جب تم سے رابطہ ہوگیا' تم نے آنے کی خواہش کا اظہار کیا اور پھر جب تم نے آنے کا بالکل فیصلہ کرلیا تو میں نے اس زمین کے کاغذات کی دوبارہ پڑتال کروائی' جس کے لیے پٹواری کو بہت کھلانا پڑا' شاید آج کل میں وہ تم سے ملنے کے لیے آئے بھی' خیر۔ شجرہ بنا' تمہارے دادا کی وراثت اب تمہارے نام بول رہی ہے۔ تحصیل دار کے سامنے صرف تمہیں پیش ہونا ہے' میں نے تمام کاغذات تیار کرلیے ہیں۔ تحصیل دار کو صرف یہ درخواست گزارنی ہے کہ تم زندہ ہو اپنے دادا کی وراثت کے حق دار ہو۔ بس' یہ ساری جائیداد تمہارے نام ہوگی' اگر تم چاہو تو اس کی شروعات آج ہی سے کردیتے ہیں۔''

''تم بہتر سمجھتے ہو انوجیت کہ کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے' یہ اب میری ذمے داری ہے کہ میں نے کیا کرنا ہے اور اب سنو کہ وہ حویلی ایسے ہی کیوں پڑی رہی۔''

''ہاں......! وہ بتاؤ مجھے......'' جسپال نے دلچسپی سے کہا اور انوجیت کی طرف ہمہ تن گوش ہوگیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر کہتا چلا گیا۔

''جب تک سرپنچ زندہ رہا' اس نے اس حویلی کو ایسے ہی رہنے دیا۔ بے بے نے ایک بار کوشش کی تھی کہ اس کی صفائی ستھرائی کروا کے اسے رنگ و روغن کروادیا جائے' لیکن اس نے روک دیا۔ حویلی کو رنگ و روغن کروانے کی خواہش تمہاری پھوپھو نے کی تھی۔ انہوں نے وینکوور سے رقم بھی بھیجی تھی لیکن بے بے ان دنوں اس قدر قوت میں نہیں تھی کہ سرپنچ کا سامنا کرسکے۔ بلکہ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر بے بے نے پھر ایسا کرنے کی

کوشش کی تو اس سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سرپنچ تو نہیں رہا' لیکن اس کے پتر رویندر رسنگھ نے یہی بات بے بے کو پھر دہرائی تھی۔''

''نہیں انوجیت' مجھے یہ بتاؤ' وہ ایسا کیوں چاہتے تھے؟'' اس نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

''ان کا کہنا تھا' بلکہ کہنا ہے کہ اس حویلی کو عبرت کے نشان کے طور پر اس گاؤں میں ایسا ہی رکھنا ہے تاکہ لوگوں کو یہ یاد رہے کہ سرپنچوں سے مقابلہ کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے اور لوگ اس سے سہمے ہوئے ہیں۔''

''ہوں تو یہ بات ہے.....'' جسپال نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا' پھر چند لمحوں بعد پوچھا۔ ''اچھا' انوجیت مجھے یہ بتاؤ کہ سرپنچوں کا خاندان کتنا ہے' اور اس وقت وہ کتنے طاقتور ہیں کہ لوگ ان سے سہمے ہوئے ہیں۔''

''رویندر سنگھ اس وقت ایم ایل اے ہے۔ اس کا زیادہ تر وقت یا تو دہلی میں گزرتا ہے یا پھر امرتسر' یہاں وہ کبھی کبھار آتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے اُدھر ہی رہتے ہیں۔ مطلب بیوی تو اُدھر ہی ہے' لیکن اس کے تین بیٹے ہیں' ایک چندی گڑھ میں اپنا بزنس کر رہا ہے' دوسرا اس کی ساتھ امرتسر ہی میں ہے' اور تیسرا یہاں زمینداری کرتا ہے' یہاں کی سیاست دیکھتا ہے اور سرپنچی کرتا ہے' وہ اکالی دل کا بڑا سرگرم رکن ہے۔''

''مطلب' سیاسی طور پر مضبوط ہیں..... اور معاشی طور پر بھی.....'' جسپال نے یونہی پوچھا۔

''یہ تو ہے' لیکن اس کے ساتھ وہ اچھے خاصے جرائم پیشہ بھی ہے۔ شاید تمہیں بھارتی سیاست کے بارے میں اتنا معلوم نہیں ہے۔ یہاں جو جتنا زیادہ غنڈہ ہوگا' اتنا زیادہ ہی وہ مضبوط ہوگا۔ اس کا اتنا زیادہ ہی سیاست میں عمل دخل ہوگا۔''

''ہوں.....'' جسپال نے ہنکارا بھرا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں' جسے انوجیت وہی کچھ کہہ رہا ہو جو اس کی اپنی سوچ تھی۔ پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ''اگر ہم' بلکہ میں اپنی حویلی کو دوبارہ سے رہائش کے لیے درست کرنا چاہوں تو میری مخالفت کریں گے.....؟''

''بالکل کریں گے..... رویندر سنگھ کا تیسرا پتر..... بلجیت سنگھ' اسے شاید معلوم بھی ہو چکا ہوگا کہ تم یہاں پر آگئے ہو اور ممکن حد تک تیری مخالفت شروع بھی ہوگئی ہوگی۔ یہ تو تجھے اس وقت معلوم ہوگا جب تم یہ ساری زمین اور جائیداد اپنے نام کرواؤ گے۔'' انوجیت نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

''تو ٹھیک ہے' دیکھتے ہیں وہ کیا کرتا ہے۔ اب ساری زندگی انہی کی تو نہیں چلتی۔'' جسپال نے زہرخند لہجے میں کہا تو ہرپریت کور نے پہلی بار لب کشائی کی۔

''جسپال' یہ ٹھیک ہے کہ لڑنے سے پہلے دشمن کی طاقت کا اندازہ کرلیا جائے' لیکن لڑائی صرف طاقت سے نہیں جیتی جاسکتی' اس کے لیے حوصلہ بھی چاہیے ہوتا ہے' اگر ان سے مخالفت نہیں ہے تو یہ جان لو کہ تم میں اتنا حوصلہ ہے۔'' اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ جسے جسپال نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ اس لیے اس نے ہرپریت کے چہرے پر دیکھا' جہاں اس کے چہرے پر سختی تھی۔ وہاں غصہ بھی چھلک رہا تھا۔ شاید اس میں کسی قدر نفرت کا عنصر بھی شامل تھا۔ وہ صحیح طرح سے اندازہ نہ لگا سکا۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہرپریت، میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا' لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر بھارت کی زمین نے میرا خون پینا ہے تو پی لے...... مگر میں جو سوچ لے کر آیا ہوں' اس سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تم دونوں یہ سوچ رہے ہو گے کہ میں کیا مقصد لے کر آیا ہوں۔ تو میرے خیال میں تم دونوں بچے نہیں ہو۔''

''سمجھ گئی' تم کیا چاہتے ہو' لیکن...... کیا تم اکیلے یہ مہم سر کر سکتے ہو۔ طاقت کا توازن......''

''میں نہیں جانتا کہ طاقت کیا ہوتی ہے۔ میں تو خود پر بھروسہ کر کے آیا ہوں۔ اپنی جائیداد اپنی زمین کا حصول میرے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا' وینکوور میں اس سے بھی زیادہ میرے پاس جائیداد ہے۔ میں یہاں صرف انوجیت کو جانتا ہوں۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ کس مشکل میں نہ پڑے...... اس کے لیے مجھے الگ رہنا ہی' اور اپنے طور پر......''

''تم غلط سمجھ رہے ہو جسپال' ہرپریت نے تیزی سے کہا۔ ''تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے' تم تو ان لوگوں کو بھی نہیں جانتے ہو' بلجیت سنگھ کون ہے' یا رویندر سنگھ کون......؟''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' وہ دھیرے سے بولا۔

''تمہیں مدد چاہیے ہوگی' تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے ہو۔'' ہرپریت بولی۔

''ٹھیک......! میں نے مان لیا' لیکن میں کم از کم تم لوگوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ تم لوگ بڑے سکون کی زندگی گزار رہے ہو۔ تم گزارو...... میں یہ سب دیکھ لوں گا۔''

''ٹھیک ہے جسپال، تم ہماری زندگی کا خیال کرو' لیکن ہم تمہارے لیے ہر طرح سے حاضر ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ...... وہ پولیس آفیسر...... جس نے کل تھانے میں تم سے بدتمیزی کی تھی...... اسے رات کسی نے گولی ماردی ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا...... کیوں، ایسا کیوں ہوا؟'' ہرپریت نے کہا۔

''کیوں، کس نے کیا یہ سب......؟'' جسپال نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''صرف تمہیں بتانے کے لیے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' اور شاید تیرے انتظار میں...... تم خود کو اکیلا مت سمجھنا......'' ہرپریت نے کہا تو جسپال نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ اس نے اپنی بات بھی کہہ دی تھی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ پولیس آفیسر کیسے قتل ہو گیا۔ وہ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا' پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''ہرپریت......! اب میں یہ قطعاً نہیں پوچھوں گا کہ یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا' لیکن اتنا ضرور پوچھوں گا کہ صرف میرے انتظار میں...... اس سے پہلے کیوں نہیں......؟''

''اس سے پہلے بھی بہت کچھ ہے' اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا' یہ تو فقط ہوا تمہارے ساتھ ٹکرا کر گزری ہے کہ تجھے احساس ہو جائے' باقی وقت خود بتا دے گا کہ آئندہ کیا ہونا چاہیے۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولی تو جسپال نے انوجیت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے انوجیت...... چلو آج ہی تحصیل دار کے عرضی گزار دیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ مخالفت کے لیے کون سامنے آتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا تو ہرپریت کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ انوجیت کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔ اوگی پنڈ کی فضاؤں میں ایک نیا فیصلہ ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

میں اور چھاکا دوپہر کے بعد تک ڈیرے ہی پر رہے۔ ہم نے اپنے طور پر پورے گاؤں کے لوگ کھنگال مارے کہ ان میں مخبر کون ہو سکتے ہیں؟ ساری زندگی اسی گاؤں میں گزر گئی تھی لیکن کبھی کسی کے بارے میں شک تک نہیں ہوا تھا کہ وہ پولیس کا مخبر بھی ہو سکتا ہے۔ اب شاید ہم خود اس معاملے سے گزر رہے تھے، اس لئے ہمیں انکشاف ہوا تھا، جو بہر حال خطرناک تھا۔ شاید پولیس تم تک نہ پہنچ پاتی اگر اس مخبر نے ہمارے بارے میں اطلاع نہ دی ہوتی۔ ہمارا ہونا بھی پھر کیا ہوتا اگر ہم شام سے پہلے اس نادیدہ مخبر کو تلاش نہ کر لیتے۔

''چل یار اٹھ گاؤں چلتے ہیں۔ یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو اس مخبر کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔'' چھاکے نے ایک دم سے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ تبھی بھیدے نے کہا۔

''جاؤ جاؤ...... میں سنبھال لوں گا سب کچھ...... تم جاؤ۔''

شاید اس نے ادھر ادھر پھرتے ہوئے ہماری باتیں سن لی تھیں اس لیے ہمیں ڈھیل دی تھی کہ ہم جا کر یہ کام کریں۔

''لے پھر بھیدے جا رہے ہیں ہم۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو چھاکا بھی اٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم ڈیرے سے نکل کر گاؤں جانے والے راستے میں تھے۔ ہم دونوں اپنے اپنے تئیں خاموش سوچ رہے تھے کہ اچانک چھاکے نے میرے پیچھے بیٹھے ہوئے چونک جانے والے انداز میں کہا۔

''اوئے...... ! مجھے یہ بتا' شاہ زیب اور پیرزادے کو معلوم ہو گیا کہ تو تھانے میں ہے اور وہ فوراً وہاں پہنچ گئے؟''

''بات تو تیری ٹھیک ہے یار' چلو شاہ زیب کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ گاؤں کے کسی بندے نے اطلاع دے دی ہو گی لیکن پیرزادہ تو......''

''بندہ انہی دونوں کے درمیان ہے جمال...... وہ بندہ محض پولیس کا مخبر نہیں ہے۔ ان سب کی ملی بھگت لگتی ہے۔ تو مان جا......''

''مان گیا' پر اس بندے تک تو پہنچ......'' میں نے تیزی سے کہا۔

''سمجھو پہنچ گیا۔ اچھو کریانے والا...... سارے گاؤں کی خبر اس کے پاس ہوتی ہے۔ اتنی تیزی سے رابطہ صرف اور صرف فون پر ہو سکتا ہے' ورنہ نور نگر سے پیرزادے کے گاؤں تک کوئی بندہ جائے' اسے بتائے' تو پھر تھانے تک جائے' جبکہ شاہ زیب کو اس سے پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ دونوں کا ایک ہی وقت پہنچ جانے کا مطلب ہے کہ دونوں کو اطلاع ایک ہی وقت میں ملی اور آگے پیچھے تقریباً ایک ساتھ وہاں پہنچ گئے۔'' چھاکے نے پیچھے بیٹھے ہوئے تفصیل سے کہا تو میں چونک گیا۔

''بات تیری ٹھیک ہے چھاکے' چل' اس سے پوچھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور بائیک کی رفتار مزید بڑھا دی۔

سہ پہر ہو چکی تھی جب ہم اچھو کریانے والے کی دکان پر پہنچے۔ وہ دکان کے اندر کھڑا گاہکوں کو نمٹا رہا تھا۔ جبکہ دکان کے باہر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بائیک ایک طرف لگائی' اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام دعا کرنے لگے۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ دکان پر موجود گاہکوں کو

سودا وغیرہ دے لے تو پھر اسے دکان سے باہر بلانا آسان تھا۔ چند منٹ بعد ایسا ہی ہوا۔ گاہک تو چلے گئے لیکن وہ دکان کے اندر ہی رہا۔ تبھی میں نے اسے بلایا تو وہ باہر آ گیا۔ جب تک وہ میرے پاس آیا تب تک میں نے اپنا پسٹل نیفے میں سے نکال لیا تھا۔ میرے اس عمل سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ تب ہمارا شک یقین میں بدل گیا۔

''دیکھ اچھو..... تو مجھے بچپن سے جانتا ہے۔ میں تجھے ماروں گا نہیں' لیکن زندگی بھر کے لیے اپاہج ضرور کر دوں گا۔ سچ سچ بتا دے تو میرے بارے میں کب سے اور کسے اطلاع دیتا ہے۔'' میرے یوں کہنے پر وہ ایک دم میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور گھگیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''مجھے معاف کر دے جمال..... !یقین جانو مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ یہ سب کیا ہوا ہے' میں تمہیں ساری بات بتا دیتا ہوں..... آگے فیصلہ تم کر لینا..... میں حرف بہ حرف سچ کہوں گا۔''

''تو بولو..... رد کا کس نے ہے۔'' چھاکے نے انتہائی غصے میں کہا۔

''جس وقت تم فون کر کے گئے تھے' اس سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ایک بندے نے آ کر مجھ سے سگریٹ لیئے اور یونہی باتوں ہی باتوں میں میلے کی بات کرنے لگا۔ پھر اس نے سوڈے کی بوتل کھولی اور وہی میلے کی باتیں کرتا رہا۔ وہ اصل میں مجھ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ فائرنگ کرنے والا بندہ کون ہے اور اس کے ساتھ لڑکی تو نہیں آئی۔''

''تم بے وقوف تھے کہ وہ تم سے پوچھ رہا تھا اور تم بتا رہے تھے۔'' چھاکے نے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

''یہ تو مجھے اب پتا چل رہا ہے نا..... ورنہ اس وقت تو وہ فائرنگ کرنے والے کی بڑی تعریف کر رہا تھا' اب میں نے اکیلے تھوڑی جمال کو دیکھا تھا اس لڑکی کے ساتھ' رات بہت سارے لوگ اس چوک میں تھے۔ ان سب نے دیکھا تھا۔ یہاں ایسے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہ بھی بتانے لگے جب اس بندے کو پکی تصدیق ہو گئی کہ لڑکی جمال کے پاس ہے' اور اس کا گھر قریب ہی ہے تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا اور آ کر فون کیا' کوئی اتنی لمبی چوڑی بات نہیں کی' جس پر میں نے دھیان بھی نہیں دیا۔ کافی دیر بعد تم آئے.....''

''تو مجھے بتاتے کہ میرے بارے میں کوئی پوچھ رہا تھا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''میں ڈر گیا تھا کیونکہ اس وقت تک وہ جیپ پر سوار تھا..... سو.....'' بات اس کے منہ ہی میں رہ گئی اور چھاکے نے ایک زوردار تھپڑ اس کے مار دیا۔ وہ زمین پر جا گرا۔ تبھی وہ لرز گیا کیونکہ چھاکے نے بڑے غصے سے اسے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''پھر پیرزادے اور شاہ زیب کو فون کیوں کیا؟ جب اسے پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔''

''میرے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ پولیس آئے گی اور جمال کو پکڑ کر لے جائے گی' میرے پاس جمال کو بچانے کا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ شاہ زیب کو تو بتانا ہی تھا لیکن میں نے پیرزادے کو اس لیے بتا دیا کہ یہ جمال اس سے بھی باتیں کر کے گیا تھا۔ میں نے تو یہی سمجھا کہ وہ بھی اس کا دوست ہے' اور پھر ہوا بھی یہی.....'' اچھو نے ڈرتے ڈرتے ساری بات بتا دی۔

''میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا' جب تک تو سچ نہیں بولے گا.....'' چھاکے نے یونہی اندھیرے میں تیر مارا۔

''مجھ سے جیسا چاہے حلف لے لو...... یہی سچ ہے۔'' وہ گھگھیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تو پھر وہ نمبر لاؤ' جس پر اس بندے نے کال کی تھی۔'' چھاکے نے کہا۔

''وہ میں دے دیتا ہوں' وہ میں نے نوٹ کر لیا تھا، ابھی دیتا ہوں۔'' اچھو نے اجازت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو چھاکے نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ فوراً دکان میں گیا' ایک کاپی نکالی' اس میں نمبر دیکھا اور باہر آ گیا۔ پھر ایک نمبر پر انگلی رکھ کر بولا۔'' یہ رہا اس پر کال کی تھی اس نے۔''

میں نے نمبر دیکھا' وہ کسی سیل فون کا نمبر تھا۔ اس وقت بیشتر علاقوں میں سیل فون سروس آ گئی تھی۔ لیکن ابھی ہمارے علاقے میں یہ سروس نہیں آئی تھی، بس ٹاور وغیرہ لگ رہے تھے۔ سنا تھا کہ آج کل میں شروع ہونے والی ہے۔ تبھی میں نے اچھو سے کہا۔

''چلو...... یہ نمبر ملاؤ۔''

''ابھی ملاتا ہوں۔'' وہ جلدی سے فون کی جانب بڑھا۔ پھر نمبر ملا کر ریسیور میری جانب بڑھا دیا۔ بیل جا رہی تھی اور پھر کچھ رنگ جانے کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''کون...... ؟'' دوسری طرف سے بھاری آواز ابھری۔

''میں جمال بات کر رہا ہوں۔ نور نگر کا جمال...... تم کون ہو؟''

''اوہ جمال......!'' دوسری طرف سے کافی حد تک حیرت بھری آواز میں کہا گیا۔ پھر دوسری جانب سے آواز ابھری۔'' یہ تو میں مانتا ہوں کہ تم دلیر ہو' لیکن اتنی جلدی مجھے فون کر لو گے یہ بہر حال میں نے نہیں سوچا تھا۔''

''نام بتاؤ۔'' میں نے اختصار سے پوچھا۔

''نام بتایا تو شاید تیرا سانس بند ہو جائے۔ اس لیے خاموشی کے ساتھ ریسیور رکھ اور بھول جا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ غلط فہمی تھی' اس لیے تو بچ گیا۔''

''تو بھڑکیں ہی لگاتا ہے یا پھر تم میں کوئی ہمت یا حوصلہ بھی ہے' یا پھر تیری فون پر ہی بدمعاشی چلتی ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر اسے غصہ دلایا۔ جس کا فوری ایکشن ہوا۔

''اوئے زبان سنبھال کے بات کر' تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں...... ؟''

''شاید بلی کھسرا...... یا پھر نیلی کھسرا...... جو اپنا نام چھپا رہا ہے' مرد تو اپنا نام ظاہر کرتے ہیں' چھپاتے نہیں۔'' میں نے پھر اسے بھڑکایا۔

''اوئے بے غیرت، مجھے ملک سجاد کہتے ہیں...... اور میں......'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''یوں کہو کہ تو بھڑوا ہے' پہلے اپنی عورتیں دوسروں کے گھروں میں بھیجتے ہو اور پھر انہیں بلیک میل کرتے ہو۔'' میں نے فوراً ہی گالی کا بدلہ لے لیا اور اسے مزید تپا دیا۔

''لگتا ہے تیری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔اب انتظار کر میں تجھے خود ڈھونڈ کر تیری اس بے غیرتی کا مزہ دیتا ہوں۔''

''ایک تو وہ مزہ دے گئی ہے جو تو نے بھیجی تھی' اب ویسی ہی کوئی اور بھیجے گا یا پھر تو خود آئے گا' اوئے بھڑوے تو بول' میں تجھے خود تلاش کرلوں گا......'' میں نے کہا تو شاید وہ سمجھ گیا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔اس لیے بغیر کچھ سنے اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھا' پھر اچھو کی طرف دیکھ کر بولا۔''تو اب سمجھ لے......''

''سمجھ گیا جی......'' اس نے انکساری سے کہا تو میں اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔تبھی چھاکا میرے پیچھے آ بیٹھا تو میں نے بائیک کا رخ گھر کی جانب کر دیا۔

گلی میں کوئی گاڑی نہیں تھی۔اس کا مطلب تھا کہ سوہنی جا چکی ہے۔میں نے اپنے گیٹ پر بائیک روکی تو چھاکا اندر چلا گیا تاکہ گیٹ کھول دے گیٹ کھلا اور میں صحن تک چلا گیا۔تبھی سامنے دالان میں سوہنی کو بیٹھا دیکھ کر ایک دم سے غصہ میرے دماغ کو چڑھ گیا۔شاید وہ یہ سب کچھ سوچ کر بیٹھی ہوئی تھی۔اس لیے اسی اطمینان سے بیٹھی رہی۔میں نے بائیک سے اتر کر کہا۔

''اماں!اماں کدھر ہے......!''

''میں ادھر ہوں۔'' کچن سے آواز آئی تو میں ادھر چلا گیا۔

''بول کیا بات ہے۔'' مجھے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔

''یہ اب تک یہاں کیوں ہے؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''اب بیٹا...... میں اسے دھکے دے کر تو نہیں نکال سکتی۔اس نے وہ سارا سامان اور گاڑیاں واپس بھجوا دیں اور خود یہاں بیٹھی ہے۔'' انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

''اماں......!یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔اس کی وجہ سے میری ایک ایسے بندے کے ساتھ دشمنی ہو جانے والی ہے جسے میں جانتا تک نہیں تھا۔ابھی اس کے ساتھ منہ ماری کر کے آ رہا ہوں۔اماں تو اچھی طرح جانتی ہے کہ میں مقصد سے ہٹ جاؤں گا۔اگر......''

''فضول کیوں بول رہا ہے' میں اسے کہوں گی تو یہ صبح چلی جائے گی۔تم اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو' ایویں بے جا غصہ نہ کرو...... جاؤ اوپر والے کمرے میں چلے جاؤ یا پھر باہر والے کمرے میں...... اسے دیکھو ہی نہ تم......'' اماں نے سمجھاتے ہوئے کہا تو میں پلٹ کر باہر والے کمرے میں چلا گیا۔جہاں چھاکا پہلے ہی سے موجود تھا۔

وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ایک بار تو مجھے لگا جیسے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں' ورنہ اس کی حالت ایسے نہیں ہوتی تھی۔میں اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا تو وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''یار' سوہنی ہماری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''کیوں......؟ ویسے تم کیا سوچ رہے ہو......'' میں نے اس کے خیالات جاننا چاہے کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔

''یار یہ ٹھیک ہے کہ تمہارا اس سے ملنا محض ایک اتفاق تھا' تم کسی دوسرے راستے سے نور نگر واپس آتے تو شاید وہ تمہیں نہ ملتی' یہ جو یکدم حالات بگڑے ہیں' اس کی بنیاد میں فقط سوہنی ہے۔ اس کی وجہ ملک سجاد نے تمہارے گھر کا راستہ دیکھا اور پھر وہ کونسا کوئی گھریلو لڑکی ہے۔ ایک طوائف ہے' جس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے وہ ملک سجاد کے کہنے پر ہی یہاں موجود ہو؟'' چھاکے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''سوال یہ ہے کہ وہ اس کے کہنے پر اب یہاں کیوں ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''یار تم نے اس کے بندوں کو زخمی کیا ہے اور پھر تھانے میں صرف افضل رندھاوا کی ہی بے عزتی نہیں ہوئی بلکہ ملک سجاد کی بھی تو ہوئی ہے ناکہ اس کا حکم پورا نہیں ہو سکا۔'' چھاکے نے اپنے طور پر دلیل دی۔

''میں نہیں سمجھتا چھاکے کہ اب وہ اتنی سی بات پر کوئی انتقامی کارروائی کرے گا۔ ہاں جو کچھ ہم اب اس کے ساتھ کر کے آئے ہیں تو اس پر اس کا ہم سے دو دو ہاتھ کرنا بنتا ہے۔ کل صبح یا رات کسی وقت یہ سوہنی یہاں نکلتی ہے، تو اس پر شک کیا جا سکتا تھا۔'' میں نے اپنا خیال پیش کیا تو چھاکا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''یار...... ! کچھ لوگوں کی فطرت میں کمینہ پن ہوتا ہے۔ اپنے علاقے میں جو کمینے ہیں' انہیں کیا ہم نے نہیں دیکھا۔ سال ہا سال تک دل میں کدورت رکھتے ہیں اور وقت ملتے ہی ڈنگ مارنے سے باز نہیں آتے۔ ملک سجاد جس عورت کے لیے دیوانہ ہو رہا ہے وہ ایک طوائف ہے' جو اس قدر گھٹیا معیار رکھتا ہو اس سے کچھ بھی بعید ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات ...... ! کیا تم شاہ زیب اور پیرزادے کو بالکل پاک وصاف کر دو گے؟' میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کے مراسم نہ ہوں۔''

''ہو سکتا ہے' ہوں' لیکن میں اتنا بتا دوں......'' اس سے پہلے میں کچھ کہتا باہر والے کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور سوہنی اندر داخل ہو گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی' جیسے وہ اپنے غصے کو دبانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہو۔ وہ خاموشی سے میرے سامنے والی کرسی پر آن بیٹھی۔ ہم بھی خاموش تھے اور یہ خاموشی کچھ لمحے ہمارے درمیان ٹھہری رہی' میں سوہنی کی طرف دیکھتا رہا۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ بات کرے' جبکہ وہ یوں سر جھکائے بیٹھی تھی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر ایک دم اس نے سر اٹھایا اور بولی۔

''جمال...... ! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں معافی مانگتی ہوں کہ میں نے تمہاری باتیں اس دروازے کی اوٹ سے سنیں' میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔ مجھے خود پر افسوس آ رہا ہے کہ میں تم پر ایک فیصد کا بھی اعتبار نہیں بنا سکی۔ میں جانتی ہوں کہ میں طوائف ہوں' معاشرے کی نگاہ میں گھٹیا ترین مخلوق ہوں' لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ آج تک میرا جسم کسی مرد کے زیر تسلط نہیں رہا۔ یہاں تک کہ ملک سجاد جیسے شخص کے بھی نہیں۔ میں......''

''تم اس سے ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''یہی کہ میں نہ تو اس کی رکھیل ہوں نہ ہی اس کی پابند...... میں اپنی مرضی کی مالک ہوں' اور میں یہاں آ کر جو ٹھہری ہوں تو اپنی مرضی سے...... تمہارے ساتھ...... اماں کے ساتھ کچھ دن رہنے کے لیے' لیکن تم دونوں کی باتیں سن کر مجھے لگا کہ جہاں اعتبار ہی نہیں' وہاں خلوص بھی نہیں آ سکتا۔'' اس نے آزردہ لہجے میں کہا۔

''سوہنی......! یہ خلوص' پیار اور محبت کی باتیں ہیں نا' میری سمجھ میں نہیں آتیں اور نہ ہی میں انہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ ملک سجاد سے کہا ہے' اگر اس میں رتی بھر غیرت بھی ہوئی تو اس کا بدلہ لینے ضرور آئے گا۔ اور میں بھی اس کا منتظر ہوں۔ تم یہ تو جانتی ہو کہ یہ سارا فساد تمہاری وجہ سے پیدا ہوا ہے تو شک بھی تم پر نہ کیا جائے' کیسی باتیں کرتی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولی۔

''اس میں غیرت نہیں ہے' اس لیے تو میں یہاں ہوں۔ تم کچھ نہ بھی کرتے تو بھی اس نے یہاں چڑھ دوڑنا تھا' تمہاری زندگی کو خطرہ ہے' اسی لیے تو یہاں ہوں۔'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''میری زندگی کو خطرہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم......؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں' مجھ پر یقین کرو......'' وہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی تو میں نے چھاکے کی طرف دیکھا' جس کے چہرے پر زہرخند مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

چھاکا چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتا رہا' پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہم کیوں اعتماد کرلیں تم پر' کیوں یقین کریں تیرا؟''

''اس لیے کہ جو میں جانتی ہوں' وہ تم لوگ نہیں جانتے۔'' وہ تیزی سے بولی تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کیا جانتی ہو' میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم خواہ مخواہ ہم پر مسلط ہو رہی ہو اور نجانے کیوں ہمیں ڈرانے دھمکانے کی کوشش کررہی ہو۔ ماں نے کہا ہے کہ تو صبح چلی جائے گی' اس لیے میں خاموش ہوگیا۔ ورنہ تجھے ابھی جانا پڑتا۔ ابھی تُو میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہے؟''

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم بہادر ہو' نڈر رہو' اور غیرت مند ہو لیکن گاؤں کے سیدھے سادے ایسے نوجوان ہو جو دنیا کے چلتروں کے بارے میں نہیں جانتا۔ یہاں بڑے سے بڑا بے غیرت پڑا ہے' دھوکا' فریب' پیٹھ پر چھرا گھونپنے والے......''

''دیکھ جہاں تک دھوکے کی بات ہے' ایک کتا بھی دھوکے سے کاٹ سکتا ہے' مگر میں کتے سے بھی بدتر لوگوں کو جانتا ہوں کہ جو برس ہا برس ایک چوکھٹ سے کھاتے رہتے ہیں پھر وہیں منافقت کرتے ہیں۔ اس میں ان کا نہیں' ان کی ولدیت کا قصور ہوتا ہے' وہ اپنی فطرت سے مجبور ہوتے ہیں۔ منافقت کا کھیل کھیلنے والے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا' یہ قانون فطرت ہے۔ منافق اعتماد کا خون کرتا ہے' ان باتوں کو چھوڑ' میں یہ جانتا ہوں۔ تم بولو' تم یہاں پر کیوں ہو؟''

''میں جو بھی کہوں گی' تم اسے جھوٹ ہی سمجھو گے' میں جارہی ہوں' لیکن خدا کے لیے محتاط رہنا' اعتماد نہ کرنا کسی پر۔'' سوہنی نے کہا اور اٹھ گئی۔ تو میں نے کہا۔

''کہو تو تمہیں شہر چھوڑ دوں......؟''

''نہیں' کچھ ہی دیر میں گاڑی آکر مجھے لے جائے گی۔'' یہ کہہ کر وہ جانے لگی' پھر پلٹ کر بولی۔ ''جمال' تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے' میں

اس احسان کا بدلہ چکاؤں گی۔ کبھی میری ضرورت پڑے تو یاد کر لینا' تیری آواز پر سونی دوڑی چلی آئے گی۔'' اس نے کہا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

میرے اور چھاکے کے درمیان کتنی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہ اٹھا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ میں چند لمحے اس کے بارے میں سوچتا رہا' پھر سر جھٹک دیا۔

☆ ☆ ☆

جسپال اور انوجیت سارا دن نکودر تحصیل کورٹ میں پھرتے رہے۔ وہ بہت سارے لوگوں سے ملے۔ یہ ملاقاتیں محض شناسائی کی حد تک تھیں جو دوپہر کے بعد تک جاری رہیں۔ دوپہر کے بعد وہ دونوں ایڈووکیٹ گل کے چیمبر میں چلے گئے۔ وہ بوڑھا سکھ تھا لیکن چہرے پر سرخی اور آنکھوں کی چمک سے وہ اپنے عزائم میں نوجوانوں سے کہیں آگے دکھائی دے رہا تھا۔ انوجیت نے تعارف کرایا تو مسکراتے ہوئے بولا۔

''پتر......! جی آیاں نوں' تو وطن واپس آیا ہے تو اپنے وطن کی لاج بھی رکھنا۔ خیر' یہ باتیں یہاں کرنے والی نہیں ہیں' تو انوجیت پتر ایسا کر' انہیں لے کر گھر آجا' ابھی تھوڑی دیر بعد' وہیں ساری باتیں ہوں گی۔''

''جیسے آپ کہیں۔'' انوجیت نے کہا تو وہ فون پر نمبر پش کرتے ہوئے بولا۔

''لنچ کا وقت ہو گیا ہے' ابھی نکلیں گے تو......'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون کی طرف توجہ کرتے ہوئے نجانے کسے کہا۔ ''دو مہمان ہیں میرے ساتھ لنچ کریں گے۔ ہاں......ابھی نکل رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے کال ختم کی اور بولا۔ ''چل انوجیت اکٹھے ہی چلتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔

''آپ چلیں گل صاحب' ہم پہنچتے ہیں۔'' انوجیت نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ اس دوران جسپال کچھ نہیں بولا۔ وہ پوری طرح انوجیت ہی پر اعتماد کیے ہوئے تھا۔

کبھی وہ نکودر کا پوش علاقہ رہا ہو گا' لیکن ان دنوں اس علاقے کی حالت اتنی اچھی نہیں تھی۔ راستے میں سے انہوں نے کچھ پھل اور مٹھائی لی تھی۔ وہ ستر کی دہائی کی طرز پر کوٹھی نما گھر تھا۔ گیٹ پر رکتے ہی ایک چوکیدار نے انوجیت کو دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔ اس لمحے جسپال نے اندازہ کر لیا کہ ایڈووکیٹ گل اور انوجیت میں اچھے تعلقات ہیں۔ فوراً ہی انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایڈووکیٹ گل شلوار قمیص پہنے ان کے پاس آ گیا۔

''بھئی جسپال......وہاں چیمبر میں سو کان ہیں سننے والے' نجانے کون کیا ہے۔ یہاں سہولت اور سکون سے باتیں ہوں گی۔''

''جی' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہاں کا سسٹم تو بالکل عجیب سا ہے۔ جسے میں بالکل بھی نہیں سمجھ پایا ہوں۔'' جسپال نے پرسکون لہجے میں کہا تو گل مسکراتے ہوئے بولا۔

''سمجھ آئے گی بھی نہیں' لیکن اسے بڑی جلدی سمجھا بھی جا سکتا ہے۔''

''وہ کیسے......؟'' جسپال نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

''سیدھی سی بات ہے' سیدھا نظام سیدھی نگاہ ہی سے سمجھ میں آتا ہے اور الٹا نظام' الٹی نگاہ سے۔ بس یہ نگاہ کا پھیر ہے۔ اس ٹیڑھے نظام کو تم سیدھی نگاہ سے دیکھو گے تو ذرا بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ یہاں قانون روپیہ اور ضابطہ طاقت ہے' یہ صرف دو ز باتیں ہیں جو سمجھ میں آتی ہیں۔'' گل نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''تو پھر یہ سب کیسے چلتا ہے؟ جو سائل بے چارے آتے ہیں' انہیں کیسے انصاف ملتا ہوگا اور......'' جسپال نے کہنا چاہا تو گل نے تلخی سے کہا۔

''انصاف' وہ بھی بھارت میں' یہ ناممکن سی بات ہے پتر' لاکھوں لوگ اسی سوچ اسی سے اب تک انصاف کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں' جنہیں ان اٹھائیس برسوں میں کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کس کے پتر' کس کے باپ' کس کے شوہر کو کیوں زندہ جلا دیا گیا۔''

''اب تک تو پھر سب کچھ ختم ہو جانا چاہیے' جہاں انصاف ہی نہیں وہاں معاشرہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''اس سے زیادہ اور کیا ختم ہونے والی بات ہے کہ سب لوگ بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں۔ کون سی قوم ہے جو سکون سے سانس لے رہی ہے' بھارت میں اس وقت لگ بھگ ستر علیحدگی کی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ ان تحریکوں نے اپنے تربیتی کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔ یہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے' کوئی قوم اس وقت ہی ہتھیار اٹھاتی ہے جب انہیں اپنی بقا کا خطرہ لاحق ہو جائے۔''

''گل صاحب! آپ نے تو بھارت کا بڑا بھیانک نقشہ پیش کر دیا۔ میں دراصل اپنے معاملے کی بات کرنا چاہتا تھا۔ انوجیت نے......'' جسپال نے کہنا چاہا تو گل نے تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انوجیت نے بہت پہلے مجھ سے بات کی تھی۔ اور میں نے اس پر تھوڑا پیپر ورک بھی کیا ہے' سیدھی سی بات ہے پتر' اگر تم کہو کہ تمہارا معاملہ انصاف اور قانون کے مطابق حل ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں تمہیں مایوس نہیں کر رہا' حقیقت بتا رہا ہوں۔ میں کیا' کوئی بھی وکیل بے بس ہوگا' لیکن اگر دولت اور اس کے ساتھ طاقت استعمال کرو گے' خصوصاً اس ٹیڑھے نظام کے تحت ٹیڑھا چلو گے تو سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا جائے گا۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' جسپال نے حتمی انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس صرف اتنا ثبوت ہے کہ تمہارا نام تمہارے گاؤں اوگی کے چوکیدار کے رجسٹر میں درج تھا' جو اس نے تحصیل میں درج کروا دیا۔ میں مان لیتا ہوں کہ تم سچے ہو' لیکن یہ کیسے ثابت کر پاؤ گے کہ وہ جسپال سنگھ تو ہی ہو آنجہانی کلوندر سنگھ کا بیٹا ہے' تمہارا پہلا امتحان یہی ہے کہ تم اپنا ہونا ثابت کر دو' یہ ثابت کرو کہ تم کلوندر سنگھ کے پتر ہو' جس دن تم انصاف اور قانون کے تحت یہ ثابت کر لو تو میرے پاس آ جانا۔ میں نہ صرف تمہارا مقدمہ لڑوں گا' بلکہ تمام اخراجات خود برداشت کروں گا۔''

''آپ قانون اور انصاف سے اتنے مایوس کیوں ہیں؟ اور پھر میری راہ' میری شناخت اتنی مشکل کیوں گل صاحب......؟'' جسپال نے کافی حد تک غصے میں کہا۔ تو گل نے انوجیت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسے یوں سمجھ نہیں آئے گی۔ چند دن بعد یہ خود کہے گا' خیر' آؤ کھانا کھاتے ہیں' میرا خیال ہے لگ گیا ہوگا۔'' گل نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔

لنچ پر وہ تینوں ہی تھے۔ گل کا پریوار شاید پہلے لنچ کر چکا تھا' گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ بھی ہلکی پھلکی باتوں اور ادھر ادھر کے واقعات بتاتے ہوئے لنچ کرتے رہے' یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے' وہ دوبارہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تبھی انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی۔

''دیکھو پتر! میری باتوں کا برا مت ماننا' اور نہ ہی میں تمہیں مایوس کر رہا ہوں۔ میں تمہارا سارا معاملہ ہی نہیں، مسئلہ بھی سمجھتا ہوں۔ میری تو یہی خواہش ہے کہ رب تجھے تیری مراد دے۔ میں ایک دو دن میں اوگی آ ؤں گا' پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی۔'' گل نے کہا اور انہیں ہاتھ جوڑ کر واہ گرو کہتے ہوئے فتح بلائی۔ وہ اس سے اجازت لے کر جب اوگی کی جانب پلٹے تو شام ہونے کو تھی۔

اوگی پہنچتے تک شام ڈھل چکی تھی اور اندھیرا چھا گیا تھا۔ راستے میں جسپال نے انوجیت سے کوئی بات نہیں کی۔ اسے گل کی سمجھ نہیں آئی تھی لیکن نجانے کیوں اسے وہ بندہ ٹھیک لگا تھا۔ پورچ میں گاڑی رکی تو اس نے دیکھا' ہرپریت کورلان میں بیٹھی ہے' اس نے سفید شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی اور باریک آنچل کرسی کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ کوئی میگزین دیکھ رہی تھی' جس سے توجہ بدل کر ان کی طرف ہو گئی تھی۔ وہ دونوں گاڑی سے اترے تو ہرپریت بھی ان کے قریب آ گئی۔

''آپ دونوں فریش ہو کر آ جائیں میں آپ کے......''

''نہ ہرپریت' اس جسپال سے کہہ دے جو کہنا ہے' میں تو جا رہا ہوں' شاید رات دیر سے آ ؤں......'' انوجیت نے کہا اور اندر کی طرف چلا گیا۔

''پھوپھو کہاں ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''وہ اندر ہی ہیں' آپ فریش ہو جائیں پھر باتیں کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چل دی تو وہ دونوں بھی اس کے پیچھے لپکے۔

جسپال چھت پر کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ اسے اچھی لگ رہی تھی۔ سامنے اوگی کی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جو وہاں کسی آبادی کے ہونے کا احساس دلا رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس گاؤں میں اس کی حویلی ہے' جو اس کے خاندان کا مقتل بنی تھی۔ اسے یہاں آ کر بڑا عجیب سا لگا تھا۔ اسے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی یہاں کھڑے ہوئے' وہ کچھ سوچنا چاہتا تھا' کئی سوال اس کے ذہن میں تھے لیکن کسی ایک پر بھی وہ اپنی توجہ مرکوز نہیں کر پایا تھا۔ ایڈووکیٹ گل کے ساتھ ہوئی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ لیکن ایک سوال اس کے ذہن میں اچانک ابھرا تھا۔ نجانے اسے کیوں لگا تھا کہ ایڈووکیٹ گل اور اس سوال کا کہیں گہرا تعلق ہے۔ تبھی اسے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو توقع کے مطابق وہاں ہرپریت کھڑی اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چند لمحے یونہی دیکھتی رہی پھر بولی۔

''لگتا ہے آپ کو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ آپ یہاں آ کر کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟''

''ہرپریت...... میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ شاید میں اس گاؤں کی فضاؤں سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں' یا شاید اپنے اندر کے شور کو سننے کے لیے اس پرسکون جگہ پر آ جاتا ہوں۔''

''جسی جی میں جو ہوں باتیں کرنے کے لیے' مجھ سے باتیں کیا کریں نا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں' تم بھی ٹھیک کہتی ہو خیر......! میری ایڈووکیٹ گل کے ساتھ بات ہوئی' اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور......'' یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اختصار سے باتیں بتانے لگا۔ ساری بات سن کر ہرپریت ذرا سا مسکرائی اور بولی۔

''وہ ٹھیک کہتا ہے' لیکن اس کی سمجھ ابھی تمہیں نہیں آئے گی۔''

''کیوں......؟'' وہ تیزی سے بولا تو وہ عام سے لہجے میں بولی۔

''تم ابھی اس ماحول کو نہیں جانتے' جب ماحول کو سمجھو گے تو ساری باتیں سمجھ میں آنے لگیں گیں۔''

''اچھا' ایک بات بتاؤ' آج صبح تم نے اس پولیس آفیسر کے بارے میں بتایا تھا' وہ کیا کہانی ہے؟''

''مجھے معلوم تھا کہ تم یہی بات کرو گے......'' وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔'' وہ بہت بے غیرت قسم کا پولیس آفیسر تھا اور اسے خاص طور پر یہاں لگایا گیا تھا' بہت دنوں سے لوگ اس کی تاک میں تھے' رات وہ قابو آ گیا۔''

''لیکن تم تو کہہ رہی تھی کہ یہ میرے لیے پیغام تھا؟'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''بن گیا نا' پیغام بن گیا' اور یہ جو تم نے سوچا ہے کہ ایڈووکیٹ گل کی بات اور اس قتل میں کہیں تعلق ہے تو وہ ہے...... میں تمہیں مزید نہیں الجھانا چاہتی ہوں جسّی' میں صاف لفظوں میں تمہیں بہت کچھ بتا دینا چاہتی ہوں آؤ...... نیچے چل کر تمہارے کمرے میں سکون سے بیٹھتے ہیں۔ وہیں باتیں کرتے ہیں۔''

''چلو......'' اس نے کہا تو دونوں آگے پیچھے نیچے کی طرف سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ کمرے میں پہنچ کر جسپال بیڈ پر بیٹھا تو ہرپریت نے ایک کرسی کھینچی اور بیڈ کے قریب بیٹھ گئی۔ پھر بڑے سکون سے بولی۔

''میں جالندھر میں پڑھتی تھی' خالصہ کالج جالندھر' وہیں ہاسٹل میں رہتی تھی۔ میں اکیلی ہی وہاں پر ایسی نہیں تھی کہ جس کا باپ اس کے پیدا ہونے سے پہلے قتل ہو گیا۔ کسی کا باپ' کسی کا بھائی' ہر ایک ایسی تھیں' جس کے گھر سے کوئی نہ کوئی قتل نہ ہوا ہو۔ سکھوں کے لیے سن چوراسی قیامت کا سال تھا۔ میرے اندر انتقام تو تھا ہی' وہاں جا کر شعور ملا کہ ہمیں کرنا کیا ہے' وہیں ہماری ایک لیڈر تھی' جس کے باپ کو اس کی نگاہوں کے سامنے زندہ جلا دیا گیا تھا' اس کی کہانی بڑی دردناک تھی' سو ہم شعوری اور لاشعوری طور پر سکھ حریت پسند تحریک کے ساتھ جڑ گئے۔ ہم نے بہت کام کیا خالصہ پنتھ کے لیے' جس میں قوت ہمارے اندر پلنے والے انتقام سے تھی۔ یہ تحریک بہت مضبوط ہے' سمجھ لو کہ گھاس کے اندر ہی اندر ایک دریا بہہ رہا ہے' جو کسی بھی دن شور یدہ سر لہروں کے ساتھ نمودار ہو جائے گا۔'' وہ کسی جذباتی حریت پسند کی طرح کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''حکومت کو پتہ ہے......؟'' جسپال نے پوچھا۔

''پتہ ہے' ہماری گوریلا جنگ جاری ہے' اور یہ پولیس آفیسر ہم نے ہی مارا ہے۔'' ہرپریت نے نفرت آمیز لہجے میں کہا تو جسپال نے گہرا سانس لے کر ہنکارا بھرا۔

''ہوں......''

''سوال یہ جسّی' جب تک تم اپنے بارے میں' اپنے مقصد کے بارے میں نہیں بتاؤ گے' ہم تمہاری مدد کیسے کر پائیں گے' اگر تم صرف اپنی جائیداد......''

''نہیں' مجھے جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' اس سے کہیں زیادہ میرے پاس وینکوور میں ہے' یہ میں نے تمہیں بتایا تھا۔ میں سکون اور

عیاشی کی زندگی وہاں گزار سکتا ہوں۔ میں یہاں پر کیوں آیا ہوں؟ صرف ان لوگوں کو جو کسی نہ کسی حوالے سے میرے خاندان کے قتل میں ملوث ہیں۔انہیں ختم کرنے کے ذمے دار ہیں' میں نے انہیں نہیں چھوڑنا۔ بس' یہی میرا مقصد ہے۔'' اس نے ہرپریت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پھر وہ تو روبندر سنگھ خاندان ہے' جس کے بارے میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''ہاں وہی' لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سارے لوگ ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ ''تمہاری یہ بات بالکل درست ہے کہ مجھے یہاں کے ماحول کے بارے میں نہیں معلوم اور نہ ان لوگوں کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہوں۔ مجھے یہاں کے لوگوں کی مدد درکار ہوگی۔ لیکن میں محتاط اس لیے ہوں ہرپریت کہ میں اپنا کام ختم ہونے سے پہلے نہ مرنا چاہتا ہوں' اور نہ کام ادھورا چھوڑنا چاہتا ہوں' کہ کس کے ہتھے چڑھ کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہو جاؤں۔''

''تم چاہو تو میں تمہیں اپنی تحریک کے لیڈروں سے ملوا سکتی ہوں' وہ تمہاری مدد......'' اس نے کہنا چاہا تو جسپال نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''نہیں' ابھی نہیں...... مگر میں چاہوں گا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔''

''مطلب' پلان کیا جائے......'' ہرپریت مسکراتے ہوئے بولی تو اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''او کے...... آؤ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر پوری رات پڑی ہے' باتیں کرنے کے لیے۔ بے بے انتظار کر رہی ہوں گی' میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ہمیں کرنا کیا ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی' اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو جسپال نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر دونوں ہی مسکرا دیئے۔

☆ ☆ ☆

حسب معمول صبح ہوتے ہی میں نے اپنی بائیک نکالی اور ڈیرے کی طرف چل پڑا۔ سوہنی رات ہی کسی وقت چلی گئی تھی جس کا مجھے قطعاً افسوس نہیں تھا۔ ماں نے بتایا تھا کہ قریبی قصبے سے اس نے کوئی گاڑی منگوائی تھی اور پھر اس میں چلی گئی۔ وہ خود گئی تھی' اچھو کریانے والے کی دکان پر فون کرنے۔ وہ چلی گئی تو دماغ پر سے ایک بوجھ اتر گیا لیکن کئی سوال چھوڑ گئی۔ اب اگر مجھے انتظار تھا تو فقط ملک سجاد کا' چاہے غلط فہمی ہی میں سہی' اس نے دشمنی تو پال لی تھی۔ میں بڑھ کر وار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں اگر اس نے کچھ کہا تو اسے سبق سکھانا بنتا تھا۔ میں اس کے لیے پریشان نہیں تھا۔ میں اصل میں سازش بے نقاب کرنے کے لیے کچھ دیر خاموش رہا تھا۔ میں ڈیرے کے قریب پہنچا تو سورج کی نکلتی ہوئی کرنوں میں ایک سیاہ رنگ کی کار کو دیکھا' جو گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ میں ایک دم سے چونک گیا۔

☆......☆......☆

(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)